

شیخ
دیوان اردوی غالب

موسوم بہ
وجدان تحقیق

حصہ اول مضاف
خاکسار محمد عبد الواحد المتخلص بہ واجد فارسی مدرس ملی فی اسلام
علاقہ سرکار نظام و نسازند حضرت والہ محرم و منغور

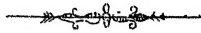
وزیر طبع فیض مبین فی نظام تقابلی طبع آید

حیدر آباد کن ۱۹۳۱ء بحری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۴

تصنیف حضرت مولانا مولوی محمد عبدالعلی نواک دکنی مرحوم و مغفور



دیوان والا موسوم بہ اسم تاریخی چمنستان بہشت بزبان فارسی ضخامت بیس جزو (۲۰۰)
کاغذ چکناسفید ساٹھ پونڈ کا چھاپہ صاف خوشخط ٹیبل پیچ زرد رنگ کا غد پر
سرخ سے چھاپا ہوا تمام دیوان نہایت آرت تائب کے ساتھ چھاپے۔ اس دیوان میں
(۹) قصیدے (۷) مرثیے (۱) خمسہ (۱۳۲) قطعات بدین تفصیل قطعات تاریخی
(۷۶) اور قطعات غیر تاریخی (۵۶۱) اور (۱۲۵) غزلیات اور (۱۹۳) رباعیات بدین
تفصیل رباعیات تاریخی (۱۰) اور رباعیات غیر تاریخی (۱۸۳) اور چند متفرق شعار
اور تاریخی ہیں۔ اس دیوان میں جملہ (۳۳۷۸) اشعار مندرج ہیں۔ حضرت والا
مرحوم و مغفور کا کلام ایرانی پسند ہے صاحب موصوف کا نام اور کلام ایران تاک
پہنچا ہے۔ کلام کی فصاحت و بلاغت اور مضمون آفرینی و جدت اور زمینی اور نثر کی
عقدگی اور عاشقانہ مذاق اور واعظانہ مطالبہ درد و غم کا بیان اور خیال کی وسعت کثرت
اندازہ بیان سے بڑھ کر ہے۔ فارسی کے شایقون اور طالب العلمون کیواسطے نہایت
مفید اور اہل دکن کے لئے سرمایہ ناز و باعث افتخار ہے۔ باوجود اتنی خوبیوں کے قیمت
کتاب صرف ڈھائی روپے سکہ حالی یاد و روپیہ سکہ کلدار۔

انشائی والا موسوم بہ اسم تاریخی گلستان شکر حصہ اول و دوم بزبان
فارسی۔ پہلے حصہ میں وہ مراسلات و عریض ہیں جو مولوی غایت الرحمن صاحب دہلوی محدث

شرح

دیوان اردوی غالب

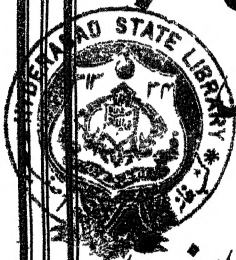
حصہ اول

مصنفہ

خاکسار محمد عبدالواحد المتخلص بواجب

فرزند حضرت اہل جوم

۱۹۰۲ء عیسوی



ہول شاح

دیس پچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد اگرچی دعوت رسالت نہایت ہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفعی و محتجب بہت کہ
جب رسالہ و ثوق صراحت میری کوشش سے صحیح ہو کر چھپ گیا تو
اسی دن سے میرے ہمارا وہ ہو گیا تھا کہ اس کا ایک ضمیمہ لکھنے والوں کو مرقبت
فرست کیوجہ سے ایک مدت تک میں مسلسل یہ کام کر رہا کہ کبھی کبھی کچھ غرض
جب فرصت ملی اور جب طبیعت آدھر آگئی لکھتا رہا اور اس کام سے بہت
غافل نہ رہا آخر یہ کام ایک ہفتہ مدد کے بعد خدا سے منعام کے افضال الکرام سے
انجام کو پہنچا اور یہ ضمیمہ میرے ارادے کے موافق کامل و پورا ہو گیا۔ بعد
اختتام کے میں نے اس کے دو نام کہے ایک **چند اہل تحقیق** اور دوسرا
توضیح اشارات والہ اس ضمیمہ کے اندر بہت سی مفید باتیں ہیں جن سے
مندرجہ کی ہیں جن سے ایک طالب فن اور شائق علم ادب بہت کچھ نفع حاصل
کر سکتا ہے۔ اگرچہ سراجی میرا کام نہیں اور نہ میں اس کو اپنے لئے تحریر کیا

کہ اشعار کی شرح بازی کرتا رہوں مگر چونکہ ایک غیر مکمل شرح شایع ہو گئی تھی اور حضرت قبلہ گاہی مولانا والہ مرحوم و مغفور کا انتقال حین تصنیف میں ہو گیا تھا اور حضرت مرحوم کو اجل نے فرصت و مہلت ندی تھی لہذا میں نے اپنی لیاقت کے بموجب اس کام کو پورا کیا۔ کیونکہ خرد مندوں نے کہا ہے مصرع پدر اگر نتواند پس تمام کند۔

بی۔ اے کلاس کے چند جمید طالب علم جو فارغ التحصیل ہوئے تھے نظام کالج میں حضرت مولانا والہ مرحوم و مغفور سے مرزا غالب بلوچی کا اردو دیوان جس کی شرح کا یہہہ صہیہہ ہے بطور سرکاری پڑھتے تھے اور سیکرٹری و تالیف و نکات جو مولانا می مغفور کی زبان مبارک سے سنئے تھے اپنے دل و دماغ میں لے لئے تھے مگر افسوس ہے کہ وہ جواہر گران بہا صنفِ قرطاس پر نہ آئے اور مولانا سے مرحوم کے سینہ کرامت گنجینہ میں ہی رہ گئے۔ گویا یہہہ ہی اردو زبان کی ایک بد نصیبی تھی۔ با اینہہ مولانا سے مغفور نے جقدر لکھا ہے اس کے نتیجہ اور مفید ہونے میں میر سے نزدیک کوئی شبہ نہیں ہے۔ شائقانِ شعر و سخن اور پیر و ان مرزا غالب کیلئے غنیمتِ عظمیٰ و مہویتِ بکری ہے۔ غیر از بن فیت کہ اسمین اور بہت سے مضمون بڑی مائیکلی ضرورت تھی یہہہ کام دوسرے شاعر حین سے ہو سکتا ہے چنانچہ میں نے اس کام کو انجام دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہر مصرع ہر کہ آمد مزید کرد بران۔ میرا دیوانہ دل و توقیر صراحت کے اختصار کو نہیں دیکھتا بلکہ اُس کے اعتبار کو دیکھتا ہے اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بہت معتبر ہے۔ ہر ایک لفظ جو اُس محقق کے قلم سے ٹپک گیا ہے میری نظروں میں

جو اہر زواہر کی قیمت رکھتا ہے۔ گو بہت سے حضرات اس کے مخالف ہوں گے
 مگر میرے دیوانے دل نے اس مختصر رسالے کے ساتھ عاشقی کا درجہ حاصل
 کیا ہے۔ ہمیشہ اُس کے جن و جمال اعتبار کا جلوہ دیکھا کرتا ہے درحقیقت
 حسن اعتبار ہی عجیب شے ہے۔ ایدل اس کے محقق ہو نیکو تو ہرگز نیکہ*
 دیکھ آخِر کیا لکھا ہے حضرت استاد نے۔ چونکہ مرزا صاحب خاص دہلی کے
 باشندے تھے اور دہلی جیسے شہر میں جو ہندوستان کا دوامی دارالسلطنت
 اور اردو زبان کا دارالعیار رہا ہے اُن کی استاد سی کا ڈنکا بجا ہے لہذا
 میری رائے میں مرزا صاحب کے اردو کلام پر زبان کے متعلق کوئی اعتراض وارد
 ہو نہیں سکتا۔ بلکہ اردو میں زبان کے متعلق مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے
 مستند اور مسلم الثبوت ہے۔ اور اُن دہلی والوں کے پاس جو دشمنانِ دین
 مقبرے اور وہاں سے تمام ہندوستان میں سلجھتے۔ ظاہر ہے کہ میرزا غالب
 دہلوی کوئی معمولی شاعر نہیں تھے اردو میں اُن کا شہرہ عالمگیر ہے دہلی میں
 مولانا ذوق کے بعد اُن کا کوئی ہمسر ہوا۔ اس ضمیمہ کے اندر میں نے لفظی
 اور معنوی تحقیق میں کامیابی کے ساتھ بہت کوشش کی ہے اور اسی واسطے
 وجدانِ محقق اس کا نام رکھا ہے۔ اور حضرت والہ مرحوم کے اشارات
 کی صراحت اور وضاحت کرنے میں بھی بہت کچھ دقت اٹھائی ہے اور
 اسی لحاظ سے اس کا دوسرا نام توضیحِ اشارات والہ رکھا ہے۔ غالباً
 حضرت والہ مرحوم جب نظر ثانی کرتے تو بہت سے مضمون اپنی شرح میں
 بڑا دیتے جن سے تمام شرح بالکل عام فہم ہو جاتی۔ میں نے کئی مضمون

اس ضمیمہ کے اندر اسی شرح کو اپنے حضرت والہ مرحوم کی شرح کو اپنا رہبر اور رہنما بنا کر لکھتے ہیں اور ان غیر مکمل نوٹوں کو اچھی طرح سے مکمل کیا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شرح دیوان غالب کی بنیاد حضرت والہ مرحوم نے ہی اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی ہے۔ حضرت مصنف مرحوم کا اشتغال حین تصنیف میں ہو جانے سے شرح غیر مکمل اور ناتمام رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص خوش نہیں کر سکتا۔ چاہئے کہ ہر ایک شعر کا مطلب شارح بنفس نفیس تفصیل و تکمیل کے ساتھ بیان کر دے تاکہ دیکھنے والوں کو خوش و رغور کی حاجت اور زحمت نہ پڑے لہذا میں نے انہیں دنوں سے جب کہ یہ شرح میرے

جلد چہرے پہ لکھی گئی تھی اسکا ضمیمہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔

بنائے آئینہ دیکھتے ہیں پہلے آئینہ گر نہرو اپنے ہی عیب ہنر کو دیکھتے ہیں حضرت قبل کا ہی واسطہ دای مولانا مولوی محمد عبدالعلی المتخلص بہ والہ رحمۃ اللہ علیہ وقد ائذ سرہ کی تحقیق اور تدقیق کو کونسا شخص ہے جو نہیں جانتا جن صاحبوں نے حضرت مرحوم سے علم حاصل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک ایک شطوط اور ایک ایک مشکل اور پیچیدہ عبارت اور وقت طلب و اشکال آمیز مضمون کے حل کرنے اور کھولنے کے متعلق اس قدر عذگی اور ضنائی اور تفصیل اور صراحت شرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک شرح کے بیان کرنا چار چار اور آٹھ آٹھ روز کی مدت کافی و کفایتی ہوتی تھی اور کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے تھے جسکو بیان نہ کر دین اور خود اس خاکسار نے فارسی کے شعر اور انشائیہ کتابیں حضرت والہ مرحوم سے پڑھی ہیں لہذا اس بات کی

میں تحریر فرماتے ہیں کہ فریادیوں کا لباس جو قدیم میں دستور تھا۔ یہ کنایہ
 ہے عجز و بیچارگی و ظلم و زاری سے۔ اب اسے اس اصطلاح کے
 معنی بیان کرنے میں مرزا صاحب نے جو غلطی کی ہے اسکی وجہ یہ ہے
 کہ مرزا نے فارسی کے قدیم لغات مثل بہارِ عجم اور برکاتِ قاطع کے دیکھے
 تھے اُن لغات میں اس اصطلاح کے معنی صرف دعا و خواہی کے لکھے ہیں
 تو مرزا نے یہ سمجھا ہوگا کہ زمانہ حال میں بھی یہ طریقہ جاری ہے مگر حضرت
 والہ مرحوم نے جو شعر و سخن کے علاوہ تحقیق کے دلدادہ اور عاشق و شیدا
 تھے زمانہ موجودہ کے لغات اور نو تصنیف شدہ کتابوں کو دیکھا تھا لہذا
 حضرت مدوح سے ایسی غلطی نہوی چنانچہ فرسنگ انجمن آرا میں
 ناصری میں میرزا ہدایت مرحوم جو بابت بحثِ ایران کے لیے مشغول تھے
 لکھتے ہیں کہ کاغذین جامہ کنایہ از عجز و بیچارگی و ظلم است چنانچہ خواجہ
 حافظ گفتمہ کاغذین جامہ بخونامہ شویم کہ غائب ہو رہنا ہم سب سے
 علم داد مگر در رسم بودہ است کہ در ولایت در زمانِ ظلم جامہ کاغذین
 می پوشیدہ اند و توقیر صراحت میں بعض جگہ ان الفاظ کے معنی ہیں
 اور نہ اشعار کے معنی ہیں بلکہ لفظوں کے نیچے کچھ ہند سے لکھے ہیں
 میں جو صرف دور و دراز کے اشارات میں جنکو ہر ایک شخص اور مہولی اداقت
 کا آدمی ہرگز نہیں سمجھ سکتا مگر میں نے اُن اشعار کو اس طرح چند معنیوں
 کے ساتھ شرح میں درج کر دیا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اسوقت تک کوئی
 شرح دیوانِ غالب کی شایع نہیں ہوئی تھی اور عام طور پر بلا تخصیص

غالب کا کلام ادق مانا جاتا تھا لہذا میں نے یہ سمجھا کہ ان اشاروں اور
 ہندسوں سے بھی کچھ نہ کچھ کام نکل آئیگا۔ کچھ نہونے سے تو ان اشاروں کا
 ہونا بہتر ہے کیونکہ غور کرنے سے کچھ نہ کچھ معنی نکل آئیگے۔ اسی لحاظ سے
 میں نے ایک لفظ کے معنی مل گئے تو ان کو بھی درج کر دیا۔ میری غرض
 یہ تھی کہ شرح کا سرمایہ فراہم ہوتا جائے اور جہاں تک ہوسکے دقت اور
 اشکال کم ہوتا جائے نہ یہ کہ میں اسکو کامل شرح سمجھتا تھا۔ کبھی مین اسکو کامل
 و مکمل شرح نہیں سمجھتا تھا لہذا میری سعی مشکور ہوئی چاہئے نہ مورد اعتراض
 مرزا غالب ہلوی کے کلام کی دقت کو کون نہیں جانتا اور ان کے اشعار
 کے مشکل و دقیق ہونے کو کون نہیں مانتا۔ اسی وقت اور اشکال کی وجہ سے
 بعض شعرا ان کے اشعار کو مہل کہتے ہیں اور یہ قطعہ تو مشہور ہے قطعہ
 اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھ لو کیا سمجھے مگر کہنے کا جب ہی اک کہے اور دوسرے سمجھے
 کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے مگر انکا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے
 خود مرزا نے اسکا جواب یوں دیا ہے ۵ نہ تائیش کی تمنا نہ صلہ کی پروا ۶
 نہ ہی گرمیے اشعار میں معنی نہ ہی ۷ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرزا صاحب
 بڑے نازک خیال و ردقت پسند تھے ۸ ان کے کلام میں جو نزاکت اور دقت
 ہے وہ فی الحقیقت خاقانی اور ظہوری اور بیدل اور جلال ابسری کی دقت
 کلامی سے کچھ کم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کلام عام فہم ہو نہیں سکتا۔ ایسے
 کلام کے لئے شرحوں کی اور شارحوں کی ضرورت ہے اگرچہ خاقانی اور
 ظہوری اور بیدل اور ناصر علی کے اشعار کی شرحیں موجود ہیں

مرزا کے کلام کی شرح میں اب تیار ہو رہی ہیں فی الحقیقت خیال بندوں کا کلام شرح کا محتاج ہے برخلاف سلاست پسندوں کے کہ ان کا کلام عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے خیال بند شعرا کو یہ بات کہاں نصیب ہے مرزا کے بعض اشعار جو وثوق صراحت میں مندرج نہیں ہیں اور درحقیقت وہ اشعار شرح طلب ہیں اور کسی نے آج تک اون کی شرح چنانکہ باید و شاید نہیں لکھی ہے یا تازہ مصنفین میرے ذہن میں آگئے ہیں تو میں نے ویسے اشعار کی شرح ہی لکھ کر اس ضمیمہ کے اندر داخل کی ہے۔ بہر حال اس ضمیمہ کے اندر میں نے سیکڑوں عمدہ اور مفید اور دلکش مطالب مندرج کئے ہیں اور ضمیمہ کی اس بلحاظ مضامین کی کثرت اور کتاب کی ضخامت کے اصل

جب اس رسالہ کی قدر ہوگی اور یہ رسالہ ہر ایک میں منظور نظر اور مقبول قلوب
ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ایباب علوم سرچشمۂ اصحاب مفہوم و بیباک استاد الفضل
سہن شاہ فضل و کمال - سرور و سردار علمائے ماضی حال - مربی علم و ہنر
قدردان کمال - رشک فداطون - غیرت افزا - ارسطاطالیس - عالیجناب
فیض اب انیسبل مولوی سید حسین صاحب الکرامی - بی - نے - الخاطب
به ثواب موتمن جنگ عماد الدولہ عماد الملک بہادر پریٹ سکریٹری علی حضرت
قدر قدرت بندگانی تعالیٰ متعالیٰ بذللہ العالی و ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن
واسم الامام و ...
فرمانیکے اور پسند گیرینکے تو یہ خاکسار اس شرح کے دو حصوں کو شایع کر رہا

جو فی الحقیقت قابل قدر اور لایق دید ہوں گے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرزا
 کے دیوان میں بہت سی باتیں شرح طلب اور نازک مطالب فی الحال موجود ہیں
 جو حل نہیں ہوئے اگرچہ ان کے اشعار کی بعض شرحیں لکھی گئی ہیں مگر تاہم بہت
 پایا کیڑہ مطالب ان شرحوں میں نہیں لکھے گئے اور وثوق صراحت اس شعر
 کے موافق ہے **○** دران نامہ کا ان گوہر سفتہ راندہ جسے گفتنی ہے
 ناگفتہ ماندہ و وثوق صراحت میں بعض جگہ الفاظ کے معنی ہیں اور نہ اشعار کے
 معنی ہیں۔ صرف کچھ در و دراز کے اشارات لکھے ہوئے ہیں جبکہ حضرت مصنف
 مرحوم صراحت کے ساتھ لکھنے والے تھے مگر اجل نے صاحب موصوف کو
 اس قدر فرصت نہ دی **○** تیسری فرصت کے مقابل اسے عمر بھر قیام کو یا بھنا
 باندھے تھے ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ میں نے شرح غیر مکمل کو مکمل کر دیا ہے چونکہ
 حال ہی میں مرزا کے اشعار کی بعض شرحیں شائع ہو گئی ہیں لہذا امیر اس قدر
 نقصان ہوا کہ بعض مضامین متوار وہ و مطالب متحدہ کو اپنی شرح میں نکال دینا پڑا
 تاکہ تہمت سرقہ سے محفوظ رہوں۔ اس نقصان پر مجھے البتہ افسوس ہوا اس
 شرح میں میں نے بعض ابتدائی باتیں ہی درج کر دی ہیں۔ ان سے میری
 یہ غرض تھی کہ اطفال مکتب بھی سنجیدہ ہوں نہ یہ کہ اپنی شرح کو طول دیکر دوسروں
 کی شرح پر فوقیت جتاؤں اور نہ یہ کہ ضخامت بڑھا کر الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی
 کا آلودہ وقت بناؤں۔ میں نے اس شرح میں کمین کمین مرزا کے بعض اشعار پر
 کچھ اعتراضات سے لکھے ہیں ان سے میری غرض نفاسیت اور نقص یا مرزا کو
 بدنام و رسوا کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقت حال کا اظہار منقولہ تھا اور نہ اس سے

مزا کی شان گہٹ سکتی ہے کیونکہ جو لوگ مشہور ہو گئے اُن کی شہرت کو کون روک سکتا ہے معہذا کوئی فروہشہر استثنائاً انبیاء اور رسولوں کے غلطی اور سہو اور بیانی سے خالی نہیں ہے الا انسان مرکب مع الخطاء والنسب ان مشہور ہے۔ لہذا حضرات ناظرین سے یہ امید کی جاتی ہے کہ اس ہجڑان کی تحریر بظہور دیکھ کر شیوہ عدل و انصاف اختیار کریں گے نہ طریقہ جنگ و جلال جب وثوق صراحت چپکے شایع ہوئی تو بعض صاحبوں نے مجھ سے یہ پوچھا کہ مولوی صاحب اردو زبان میں شعر کہتے تھے یا نہیں؟ اگرچہ حضرت قبلہ کا ہی مولانا و آلہ مرحوم و مغفور کا فن اور پیشہ فارسی اور فارسی کی شعر و شاعری تھا مگر چونکہ کبھی کبھی اردو زبان میں شعر کہا کرتے تھے لہذا میں نے کہا کہ ہاں۔ چنانچہ صاحب موصوف کے دو تین اہم و اشعار جو اس وقت مجھے یاد ہیں یہاں لکھتا ہوں تاکہ یادگار رہیں وہ اشعار یہ ہیں

کیا مقابل ہو تری آنکھوں سے وہ چشم سے زرگس کو بینا فی نہیں
میں ترے حیرت زلفے جو آئندہ لاکھ دیکھیں پر تماشا فی نہیں

ولہ

دل تنگ ہے تنگی بیابان سے کہاں جائے دامن جسے سمجھا تھا گریبان نظر آیا
اس زمین میں لیٹے گریبان نظر آیا۔ بیابان نظر آیا اور طوفان نظر آیا میں صاحب موصوف کے اور اشعار بھی ہیں مگر مجھے اس وقت یاد نہیں آتے۔
اس دیباچہ کے آخر میں اتنی بات کا ذکر کرنا نہایت ضرور ہے کہ جو دو دقتیں سید علی اور ظہور تھی اور شوکت اور مرزا جلال اسیر کے خیال لہذا نہ

کلام میں موجود ہیں ویسی مشکلیں مرزا غالب دہلوی کے تمام دیوان اردو میں جو
فی الحال مطبوع اور موجود ہے پائی نہیں جاتی ہیں مگر ہر بھی اس میں بعض
اشعار اس قسم کے ہیں جو سردرگم ہیں۔ اور کچھ تہہ نہیں چلتا کہ مصنف کا اس سے
کیا مقصد ہے۔ اور میں نے ان اشعار کی نسبت جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا
شرح کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔ فقط

الرافعہ خاکسار
محمد عبدالواجد عفی عنہ وانہد

تمام مشدریبہ

قصیدہ نربان فارسی طبع و مصنف این شرح در مدح اعلیٰ حضرت
قوی شوکت قدر قدرت فریدون فکندر در دارادبان
قیصر ششم دوران فلاتون زمان حضور پر نور سپہ لار
منظر الممالک فتح جنگ نربانندس یہ محبوب علی بن ہادی

نظام الملک اصفیاء آصف سلطان دکن خلد الملک و دولته

ای دلبر گانه وای شوخ جاستان
خست که دل بود بیکدم جهان جهان
کردی تو یک گاه و دلم ریز ریز شد
بوده قوی دلم چون بران جنگجوی
آن دل که بود جانش از حب عقل و نقل
اکنون بگو و دشت و بیابان بفر کند
جا داشت دل بر احوال و عشرت بسینم
آرام داشت در برین چون دل خوش
از درد و دوری توشه پیرا بخورد
بوده است بجز زغم و غصه پیش ازین
زین جمله جور مایه و جفا ما که کرده
تدبیر کار رفت ز دستم بدان روش
در عشق خویش حال دلم کرده تبا
آن شاه نامدار که مشهور گیتی است
فرخنده چهر و نیک نهاد و نه شناس
هیچ نور و عدل شعار و ستوده کار
جان حکمت و دل عقل و امان ملک

صحب لطیف

ای طالب بهانه وای یار راز دان
گوئی که بود بر سرین برق پیمان
تیر تو راست پیک قضا بود بیابان
لیکن شده ز جور تو بے طاقت توان
دیوانه و شفتا و بد نهاد تو دوان
آن دل که بود مسکن و باخ و بوستان
آواره اش تو کرده از خانه و کان
در دست اضطرار تباش داده عنان
سهر چید بوده است دل بنده نوجوان
اکنون برفت تا بدتر یازد از فغان
و انهم ملک بود دسرتو از امتحان
گوئی بملای صعب بدل سخت آسان
کردی نه هیچ خوف ز عدل شه نشان
و الا تبار فیض رسان حاتم زمان
عالی خیال تازه کلام و کوبیان
خورشید دستگاه سخن و هم و تر زبان
ایمان عدل و راحت خلق و شه جهان

بکشای چشم را و نظر کن کہ ہر طرف
یابد وجود از پی در گاہ شاہ ما
دور در عدن نیم گلشن روان بتن
این آب گشت آن شدہ خوانی برای چہ
روز ازل بحکم قضا و قدر بود
گشتہ دکن خلاص زندہ سیرا و بلے
ہر کس بہر بردن ز ما شناسن غیبش
و اچہر چو بدج شاہ نوشتہ نمی شود
بر پنج بڑا عظم و بر پنج سحر شور
این دولت این حکومت و این حسن نظام
ہم از میا سن کریم رب جانو از

فیض عمیم شاہ روان است چشمہ سنان
بودر سمن عقیقہ معین گہر کبان
بودر چین شرب بن گل بناردان
بنو ذر جو شاہ چو شہر مندہ بحر و کان
خوش قدر بندگان ہوا خواہ شہ گران
ملک است ہر چو شتی و تدبیر باد بان
بالجملہ شد دکن ز وجودش یکی جنان
باری بر آردست و دعا را کشا ز بان
یارب شود حکم و می از فضل تو دان
مستحکم از غنایت حق باد جاودان
افزون شود قدر ہوا خواہ بندگان

در این چکا میر صد نوشتہ حقیقت است
اے شاعران نیک اندوستان

نام شد فیصدہ

و ثوق صراحت پر رویوز

نوٹ۔ اب بین چند رویوز جو و ثوق صراحت پر لکھے گئے ہیں ذیل
میں درج کرتا ہوں اور ان رویوز کو درج کرنے سے پیشتر ایک تعریفیت

جو عالیجناب کیجی۔ پی ماڈسن صاحب بہادر سابق پرنسپال نظام
کالج نے اس خاکسار کے نام حضرت والہ مرحوم کے انتقال کے بعد ارسال
فرمایا تھا بطور یادگار نقل کرتا ہوں کیونکہ اس تعزیت نامہ سے حضرت
والہ مرحوم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ تصنیف کا اعتبار مصنف
کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ مصنف کے اعتبار سے ناواقف
ہوتے ہیں وہ جو چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں۔ اور میں اس تعزیت نامہ کو
حضرت والہ مرحوم کے کل تصنیفات کے لئے عمدہ رویہ خیال کرتا ہوں
اور اسی لئے اسکو رویہ زمین درج کرتا ہوں اور چونکہ رویہ زمینی درخواست پر
نکلیے گئے اور چھپ گئے لہذا ہر قسم کے رویہ خواہ انہیں تعریف ہو یا
ذمت ہو ہر صورت میں انکا یہاں مندرج کرنا لازم ہے فقط

الراۃ

واجد عقی عنہ

تعزیت نامہ بنجانب افلاطون زمان ارسطوی دوران
عالیجناب فیضآب کیجی۔ پی ماڈسن صاحب بہادر
سابق صدر مدرس مدرسۃ العالیہ سرکار عالی
و پرنسپال نظام کالج واوستا دا علیحضرت

حضور پر نور سلطان دکن خلد امجد ملکہ -

The Nazim College

نظام کالج

حیدر آباد دکن

Hyderabad Deccan

No. (۱۲۲) نمبر

Dated ۲۸ جون ۱۹۲۷ء

No بذریعہ

موزعہ ۲۸ جون ۱۹۲۷ء

جناب محمد عبدالواجد صاحب

نہایت افسوس ہے کہ مدرسہ عالیہ ایک شہور عالم کو ہمیشہ کیلئے
کہو بیٹھا۔ مولوی محمد عبدالعلی صاحب والہ کے انتقال کا صد جو شاعری
اور ہمہ دانی میں شہور فاق اور اسور تعلیم و تربیت میں کہنہ شاق تھے
جھکوا اُس قدر ہے جتنا آپ لوگوں کو ہو گا۔ مولوی صاحب مرحوم کی
عمرہ رائیں اور نیک خدمتیں کہی فراموش نہیں ہو سکتیں۔ سچ تو
یہ ہے کہ اُن کے جیسا شخص نہ ملنے سے اُن کی جگہ ہمیشہ کے لئے
خالی ہے۔ خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ بخشے۔ آپ کو طازم
کر آئے کریمہ انما یوفی الصابر و ان اجر ہم بغیر حساب ہ کو اپنے نصیب
رکھے دوسرے متعلقین کی تسکین اور تشفی فرمائیں فقط

H. M. Hodson

پچ پی ماؤنٹ (نقل و دستخط) پرنسپل

اخبار جریده روزگار مدراس جلد (۲۷) شمارہ (۲۲)

مطبوعہ یکم جون ۱۹۰۱ء

ہندوستان بھر کی عام ملکی اور قومی اردو زبان جس نے آج کے دن قریب قریب ایک مکمل علمی اور شائستہ زبان کی حیثیت پیدا کر لی ہے اس کا بیج بونے والا ولی اس خوش آئندہ سرزمین دکن کا بسنے والا تھا۔ جنہیں رہنے اور بسنے کا ہمیں بھی آج نہایت ہی بھاری فخر حاصل ہے۔ جس کا یہ لگا یا ہوا پودا اپنے اصلی باغ سے دوردہلی اور لکھنؤ جیسے مرکز تمدن شہروں کے نہایت بخش چمنوں میں پہولتا پہلتا رہا اور جنہیں اس بات کا بہت ہی درست اور واقعی فخر رہا ہے کہ ہمارے ہی ہا کمال شعرا اور ادبا نے اس نازک پودے کو سنو مہر زمانہ کی سختیوں مر جہا سے جانے ندیا۔

غدر کی منخوس گھڑی جس نے دہلی جیسے مرکز تمدن شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس کا بن بنایا نقشہ بالکل ناپیدا بنا دیا۔ خود اردو زبان کے حق میں کچھ کم مصیبت پہونچا نیوالی نہ تھی۔ اور ہر شے شکستہ دل درد میں ڈوبے ہوئے یہی سمجھا رہے تھے کہ ہندوستان کی قدیم مکمل زبانیں جب دنیا سے رخصت ہو چکیں تو پہلے اس نئی نازک زبان کا کیا ٹھکانا ہے جسکی ابھی ابتدائی حالت ہی درست نہونے پائی تھی۔ مگر زمانہ جس نے ہر وقت بالکل حیرت میں مچو بنا دینے والے مرقعے

پیش کرتے رہنا اپنا فرض منصبی قرار دے لیا ہے دفعتاً ایک نیا ورق
 اُلٹا ہے۔ سرسید کی دلکش اور موثر آواز نے اردو زبان کے لئے
 ایک بالکل نیا راستہ کھول دیا جو اس سے پہلے بالکل بند تھا اور بطلج سے
 سرسید کی تعلیمی کوششوں کے لئے دولت آصفیہ نے اپنی
 تائید سے روح پیونک ہی اس طرح اردو لٹریچر اور اردو شاعری کو سنبھالنے
 کے لئے زندہ دل و کئی اٹھ کھڑے ہوئے جنہیں اردو کی پرداخت کا
 اصلی حق حاصل تھا۔ اور وہ دکن ہی کی سخن سنجی اور فیاضی ہے جس
 آج اردو کو نہ صرف دنیا سے نام اور رخصت ہونے سے بچا لیا بلکہ
 اُسکے ایک طویل مدت تک زندہ و برقرار رہنے کے سامان مہیا کر دئے۔
 وہ دکن ہی ہے جس نے ہمارے اعلیٰ حضرت حضور نظام
 خلد اللہ ملکہ کے عہد مہدین اردو زبان کو سرکار ہی زبان
 قرار دینے سے ایک ایسا بھاری فخر اردو کے لئے پیدا کر دیا جس سے
 تمام ہندوستان خالی ہے۔ اردو لٹریچر اپنی اس جلد اور تیز رفتاری
 ترقی کے لئے جبقہ و کن کے بار احسانات میں دبا ہوا ہے بہن اپنی
 زبان سے اُسکے کہنے کی ضرورت نہیں جب کہ اردو کا مشہور سے مشہور
 اعلیٰ درجہ کا مصنف خوب سمجھتا ہے حیدر آباد نے اُسکے ساتھ کیسی ہی
 کی ہے۔ اور کس طرح اسکے ساتھ بہشت احسانات کئے اور کیوں کر شوق کی
 باتوں سے اُسکی کتابوں کو لیا۔

وہ حیرت انگیز ترقی جو اعلیٰ حضرت حضور نظام کی بدولت علم و فن کی

ہر ہر شاخ میں نظر آ رہی ہے اور جس سے خود زبان اردو محروم نہیں کہی جاسکتی اور جس کے بارے میں بے تکلف یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ حیدر آباد اور اردو زبان شاید بہت ہی قریب عرصہ میں لازم و ملزوم سمجھے جائینگے اور اسکی ایک معمولی نظیر یہ کتاب **و ثوق صراحت** ہے جو اسوقت بغرض ریویو ہمارے روبرو اور پیش ہے۔

یہ کتاب مولوی عبد العلی صاحب الہ مرحوم و مغفور کی تصنیف ہے جنہیں انہوں نے مرزا غالب مرحوم کے اُن اشعار کی نسبت جو عام طور پر ایک عقدہ مالا نخل خیال کئے جاتے ہیں ضروری چیدہ باتیں درج کی ہیں اور گویا ایک مختصر سی شرح کہی جاسکتی ہے۔

والہ مرحوم کے لائق فرزند مولوی محمد عید الواح صاحب نے اس کتاب کو اپنے قابل قدر باپ کی یادگار قائم رکھنے اور شاعری کا ذوق رکھنے والوں کو ایک نیا شغف دینے کی غرض سے چھپوایا ہے۔ کتاب کی چھپائی نہایت عمدہ اور کاغذ چار کھانیا گیا ہے۔

غالب مرحوم کی شاعری کے متعلق جنکا نام ہندوستان کے ہر اردو خوان کو معلوم ہے۔ ہندوستان کے مشہور ادیب اور مصنف مولانا حالی نے یادگار غالب میں جس عالی خیال کے ساتھ بحث کی ہے اُسکی بعد اب پھر کچھ لکھنا بے وقت کاراگ الاپنا ہے۔

باقی رہی والہ مرحوم کی شرح والہ مرحوم کی فارسی شاعری اور فن ادب کی تحقیق دکن بھر میں مسلمانی جاتی ہے۔ اُن کے فیض یافتہ

بکثرت ملین گئے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کتاب یادگار غالب کے شائع ہونے کے ایک مدت پیشتر چھپ کر شائع ہو چکی تھی۔ اور گواہ وقت متعدد لائق اشخاص نے اسی مضمون پر کتابیں لکھی ہیں مگر اتفاقاً یہ کہنے میں کمی تا مل نہیں ہو سکتا کہ جعفر ضروری اور اہم باتیں لکھنی بہتیں وہ والہ مرحوم لکھ چکے۔ اور گواہ اپنے پیچھے آئیوالوں کے لئے انہوں نے بہت سے کام چھوڑے ہیں جیسا کہ تمام انسانی کاموں کا عہدہ ہے مگر جس کام کو وہ خود کر گئے ہیں بجائے خود بے نظیر کہا جاسکتا ہے۔ ہیں تمام اردو کا مذاق رکھنے والے اشخاص سے امید ہے کہ وہ اس کتاب میں بہت کچھ لطف پائیں گے۔ کتاب مولوی عبدالواجد صاحب مدرس شی ہائی سکول بلدہ حیدر آباد سے مل سکتی ہے۔

رسماء صاحبہ (۴۷) لکھنؤ (۸) واقع پانی پت برطانوی گورنمنٹ

مولوی محمد عبدالعلی خان صاحب والہ مرحوم مدرس نظام کالج حیدر آباد دکن نے جو اس کالج میں بی اے کلاس کو اردو پڑھایا کرتے تھے وقتاً فوقتاً اردو دیوان غالب پر کچھ مختصر نوٹ قلمبند کئے تھے۔ ان نوٹوں کو ان کے فرزند ارجمند مولوی محمد عبدالواجد صاحب و اجد مدرس فارسی شی ہائی اسکول حیدر آباد دکن نے ایک جگہ فراہم کر کے کتاب کی شکل میں مرتب کیا ہے اور حال ہی میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی ضخامت (۱۲) جزیروں کی ہے اور شائع مرحوم کے فرزند ارجمند مولوی

محمد عبدالواحد صاحب و آجد سے (عاں) قیمت پر مل سکتی ہے۔ کاش ان نوٹوں کو موجودہ حالت میں نہ چھپوایا جاتا کیونکہ ہمارے نزدیک ایک طالب علم کو جو غالب کی نازک خیالیوں سے واقف ہونا چاہتا ہے ان مطالعہ سے کوئی بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر نوٹ کو پھیل کر شرح کا حق ادا کیا جاتا تو یہ شرح البتہ مفید ہو سکتی تھی۔ علاوہ اس کے طریقہ شرح اور طرز بیان میں بھی بے انتہا اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہماری رائے میں یہ شرح جسکو شرح کہنا کسی حالت میں زیب نہیں دیتا اگر موجودہ صورت میں نہ چھپوانی جاتی تو بہتر تھا۔

گل نشہ خزانہ جلد (۵) نمبر (۴) واقع لکھنؤ مطبوعہ اپریل ۱۹۰۱ء

اس نام کی ایک شرح کلیات اردو میرزا غالب کبر آبادی مرحوم حال ہی میں آباد دکن سے شائع ہوئی ہے اور اس پر ہماری رائے طلب کی گئی ہے۔ ہم غالب کے دیوان کو حل طلب نہیں بلکہ تبصرہ طلب خیال کرتے ہیں اور یہی ہیں کہ ملک میں کوئی ایسا پیدا ہو جو غالب کے کلام کی نزاکتیں اور اس کے عظیمانہ خیالات پر ایک مبسوط تبصرہ تیار کرے۔ لیکن جب تک یہ نہیں ہوتا اس وقت ایسی شرحیں بھی غنیمت ہیں جو لفظی معنی سمجھا سکتی ہیں اور غالب کے دقیق کلام کو عام فہم بنا سکتی ہیں۔ خریداری کتاب کے لئے منشی عبدالواحد صاحب و آجد مدرس اول سٹی ماٹری اسکول حیدر آباد دکن سے خط و کتابت کرنا چاہئے۔

گلدستہ نمبر (۳) (نمبر ۳) واقع لکھنؤ مطبوعہ اگرست ۱۹۰۱ء

۹۲ صفحوں کی ایک مہتمم پاشان کتاب سوقت ہمارے سامنے ہے لائق مصنف صاحب نے وحقیقت بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے اس اہم اور ضروری کام کو باحسن وجہ انجام دیا۔ یہ کام اہم تو اس وجہ سے تھا کہ فخر زمان حضرت غالب کے اردو دیوان کی تصریح کی گئی اور پھر نہایت ہی سہل المتبع طور پر عام فہم زبان میں۔ اور ضروری یہ کہ اس وجہ سے تھا کہ اکثر ضرورت سے زیادہ محققین شاعر غرضاً حضرات اس کلام باعث نظام کو جان کہیں نہیں سمجھتے ہیں آہا بے معنی فرمادیا کرتے ہیں۔ لہذا اس رسالہ کے مصنف نے بہت ہی اچھی طرح نہ سمجھتے ہیں انیکا فیصلہ کر دیا۔ گو اس سے قبل رسالہ پروانہ کے ایڈیٹر جو اپنے آپ کو مجدد وقت لکھتے ہیں اس خدمت کو بجا لکھتے ہیں لیکن میری نظر سے پروانہ کے کل سلسل پرچے نہیں گزرے اسوجہ سے اسکا فیصلہ مشکل ہے کہ اس معرکہ میں گوئے سبقت کون لے گیا اور اس نیکنامی کا سہرا کس کے سر رہا۔ تاہم مجدد وقت صاحب کی خود پسندی کے دیکھتے آتھا پتا چلتا ہے کہ صاحب وثوق صراحت ہی قابل تحسین و آفرین ہیں۔ آج کل ملک میں ترقی تعلیم کے دیکھتے ہیں امید ہوئی کہ یہ ملک اس جواہر ہے بہا کو بڑی قدر سے ما توں ما تہ لے گی۔ کاغذ نہایت ہی عمدہ چھپائی بہت صاف قیمت کتاب کا حجم دیکھتے بہت کم صرف (۷) علاوہ محصول۔ حیدر آباد دکن

تمام شد ریویوز بروثوق صراحت

آغاز قطعاً تواریخ طبع و جہان تحقیق

تاریخ از کلام معجز نظام سرائد تاریخ گویان زمین و ستاد
 مسلم الثبوت این فن - رشک ظہوری - غیرت نظیری سخن ہم
 واقعی واقف اسرار جلی و خفی - عالم شجر - علوم و فنون شیرین
 مایہ تحقیق کامل - مدقق فاضل - امام فن تاریخ دانی - بلبیل
 ہزار داستان بہارستان معانی - صاحب تحقیق - مالک
 التدقیق - صاحب خلاق حسن - خداوند سخن فیاض مان
 یکتاے دوران - اعتضاد اخوان عالیجناب فضائل آب
 فواضل انتساب مولانا مولوی محمد عبدالحی صاحب قبیلہ
 التخلص بہ وصف مددگار اول ہمتمند و بست علاقہ کٹر رعنا

و تلمیذ خاص حضرت والہ مرحوم و مغفور -

خدا را فرادان پاس و تالیش
معانی لغز و مضامین نادر
بشیرین بیانی مذاق خرد را
به تفصیل باشد عدیل مطلق
شروح اندر اکثر نحوئی و لیکن
بعین ہر بین چو کحل الجواہر
اگر شعر نو طرز غالب نفیسی
چراغ مجالس سرانج محافل
نظیر خوش است خود او و نحوئی
اگر حل معنی اشعار غالب
بحال رخ شعر غالب نموده
پذیرنده منتش شعر غالب
ز بس تا بنا کے بتالیف آمد
بدام سطور است گیسوے خوبان
سطور است یا سلاک لوی لا لا
اگر فی الشل شعر باشد گلستان
سراسر دست و سنداوار باشد

کردنخواہ شد شہر شرح واجد
سراسر بود درج در شرح واجد
و ہذوق تنگ شکر شرح واجد
با جمال چون مختصر شرح واجد
بود از ہمہ خو بہتر شرح واجد
بچشم بدان نیشتر شرح واجد
نگہ کن تو اسے دیدہ و شرح واجد
بود نزد صاحب نظر شرح واجد
ندارد و سہیم دگر شرح واجد
بتوضیح خواہی نگہ شرح واجد
بمراۃ خود جلوه گر شرح واجد
کہ دادش بہلے دگر شرح واجد
بر دآبروے گہر شرح واجد
بود دلکش دل شکر شرح واجد
کشد خط بروے گہر شرح واجد
جانا بود بار و بر شرح واجد
نویسد اگر زاب نہ شرح واجد

خرد گفت با وصف تاریخ طبعش

دینا شرح دیگر شرح واحد

۱۹ سراجی

قطعه تاریخ از کلام معجز نظام پیشرو صاحبان سخن مقبول
 اساتذہ این فن - لایب یکتائے زمانہ - بشبہ بہر گمانہ
 صائب مقام - قدسی کلام - معجز نظام - صاحب تہ نگاہ عالی
 انواع نظم را والی - بدر نیسراج کمال - شاہد معنی را یوسف
 جمال - فردوسی نشان - جامی بیان - نیر عظم آسمان
 تحقیق خلاصہ محققان صاحب تدقیق - فلک البروج
 کمال - آفتاب عروج لازوال - امام فن سخن شاعر مضمون
 آفرین حضرت ذی مکرمت مولانا مولوی محمد صدیق حسن ضیاء
 المتخلص بہ عاشق صدر مدرس فارسی مدرستہ العالیہ کراچی

و پرو فیہ نظر نام کا مچ حیدر آباد دکن دام لطفہ

داد معالی خوب بداد
شرح گزین مقبول خواہ
طالب معنی یافت مراد
چشم بدش یارب مراد
بر سر و چشم خویش نہاد
لفظ درکش محض سداد
وہ چه بچہ نقش بداد
کحل عیون اہل سواد
نکتہ ترشش قابل صاد
حاصل او تفصیل زیاد
محقق احسن و اجاد
شرح مبین ہر عقدہ کشاد

۱۳۱۹

حضرت واجد ذہن رساش
بر سخن غالب نبوشت
مطلب شکل زو شدہ حل
وہ چه نگار سے جلوہ سرور
ہر کہ بدیدش از رہ قدر
مستے خوبش عین صواب
وہ چه مصطفیٰ عین بسطور
نور قلوب اہل صفنا
رہز شکرش لایق صوف
شابل او تصریح تمام
مذخر التمسیل و منن
سال چوبستم گفت سرش

قطعہ یارخ از ظہوری ظہور و نظیری نظیر فصیح اللسان بلغ
البیان سر حلقہ شغرا می اردو پروانہ شمع شبستان گفتگو
صاحب لفضائل و المناقب جناب مولوی محمد کاظم صاحب

کنتوری المتخلص پیشینہ ساکن حیدر آباد دکن

اور روشن ہوا نام غالب جس سے ظاہر ہے مرام غالب اب چہی شرح کلام غالب	جب شمع ہوا اردو دیوان شرح یہ و آلہ و آجندے لکھی نجر سال میں منقوطہ حروف
--	---

رباعی تاریخ از قلم مشکین ترسم چراغ شبستان گرمیانی
سراپا شعلہ طور بخندانی جناب تودہ ساقب میفراتش علیصا
المتخلص بمعنہ نرندار چند جناب شعلہ صاحب مرحوم

کیا خوب لکھی ہے شرح بہر طالب مبطوع ہے یہ محل کلام غالب	ہے قابل شکر سی و جد صاحب باتفکے کہ ہے بمعنہ سال تاریخ
---	--

قطعہ تاریخ صنعت توشیح از افکار گوہر بار بلبل خوش الحان
گلستان سخن واقف اسرار این فن شیفتہ شیوا بیانی
نغمہ سنج بہارستان بخندانی جناب لوی سید محمد علیصا
نعمانی ملیح آباد ہی المتخلص پیشینہ دام لطف

<p>دلیل اہل سخن وآلہ بلند فکر شدہ ضمیمہ تازہ بطرز نوشتار شمیم رلف سخن جان میدور اشعار حروف فرق مصارع گیرے تکرار</p> <p>۱۹۱۳ء</p>	<p>نوشت شرح بدلیوان اردو غلیظ خیال وآبد خوش فکر چون جوع نمود زعطربیر سے انکار ہر دو اہل کمال نوشت عرش سبز اوج صنعت توشیح</p>
<p>قطعہ تاریخ از گو کہ چشنده اوج سخنوری کامیاب کامران میدان فصاحت گستری بلاغت نشان گوہر نشان شیرین بیان جناح الامتاق آس صاحب سپوری صدر انجمن جلیہ اتحاد ووائس پریسڈنٹ آف محمدن عثمانیہ کلب حیدرآباد وکن</p>	
<p>چرخ شعروشاعری را آفتاب بزرگ کلام غالب عالیجناب روح افزا است شرح لاجواب</p> <p>۱۹۱۳ء</p>	<p>آفرین بر حضرت واجد کہ بہت چون رقم فرمود این نایاب شرح گفتہ ہا افسانہ سال بخش ایچنین</p>
<p>ولہ ایضاً</p>	
<p>بدل و جان ہمہ عالم شدہ آنرا طاب ما تغم گفت مگر شرح کلام غالب</p> <p>۱۹۰۲ء</p>	<p>کہ تصنیف چو این شرح جناب وآجد خوابستم از فلک پیر چو سال بخش</p>
<p>قطعہ تاریخ از سخنور شیرین مقال شائق کمال مورخ بہشال</p>	

نیک خصال ستودہ مناقب جناب سیریاورعلیٰ حسب
اعظم قلمبند حضرت داغ دہلوی ساکن جمید آباد کن

چنین شرح نوشت و آجد کنون سن عیسوی گفت اعظم سر و شش	از چشم عدد و خون حسرت چکید انگر شرح دیوان غالب پدید
---	--

۱۹۰۲ء

و

کبھی شرح زیریا جو و آجد نے اعظم کبھی مین نے تائیرخ بے چشم بلب	ہوا انکا احسان اہل نظر پر چھپی آج و جداں تحقیق بہتر
--	--

۱۱ سہ ماہی

ایضاً

کم مین و آجد کے سے یہاں عالم مشفق من جناب و آجد نے	ذمی عنایت شفیق و نیک شیم شرح چھپو الی جبکہ اسے اعظم
---	--

منزل اوج رشک باغ ارم

۱۹۰۲ء

ایضاً تائیرخ ورنشتر

جامع الکمال است و جداں تحقیق

۱۳۱۹ھ

قطعہ تائیرخ از موزخ شیرین مقال جناب ستودہ منافات

سید علی رضا صاحب المہندس الوہاب

لکھی و آجہ نے ایسی شرح نایاب چلو روڑ و حسرید و شائق و اب سر امید سے ماتقے نے یارب	کہ جس سے مطلب مشکل عیان ہو چینی ہے شرح زیبا تم کہاں ہو لکھی تاریخ مرغوب جہان ہو
---	---

قطعہ تاریخ از مولخ شیرین گفتار ستودہ مناقب جناب

سید یوسف علی صاحب المہندس الوہاب

شکر صد شکر چپ گئی پیش جو مصنفین اسکے ہے یوسف کوئی پوچھے جو سال طبع کتاب	جکا دیکھا نہیں نظم میر مال میرے استاد میں وہ نیک اتصال کہ بلند اختر شری واجد سال
---	--

قطعہ تاریخ از میران جا کسا رحمت عبد الواجد المتخلص بہ و آجہ
مصنف و جہان تحقیق فرزند حضرت والہ مرحوم و مغفور

دارم امید قدر ز نو اعلا ملک ہاتف سر و مصرع حربہ تہ نش جنین	زین شرح تازہ ام کہ بعد آب طبع شد شرح جدید و مفرد و نایاب طبع شد
---	--

ایضاً

شرح چنین نادر و پاکیزہ تر	گشت چو اسے یارب بعد آب طبع
---------------------------	----------------------------

گفت بن ماتف غیبی سنش
شرح بشرد لکش و نایاب طبع

۱۹۳۱ء

ایضاً

شرح تازہ حامل رفیر جدید
طالب معنی غالب بودہ اند
کرده ام تصنیف خوش مرغوب ہند
آرے این شرحی بود مطلوب ہند
شرح مضمون آفرین محبوب ہند

۱۹۰۶ء

ایضاً

ہر کردیلین حل و این شرح جدید
ماتف غیبی سن طبعش بن
از کمال فسخی گل گل گفت
شرح مضمون آفرین ہند طاعت

۱۹۰۶ء

تمام شد تواریخ طبع کتاب

نوٹ - جن صاحبون نے میری شرح کی تاریخین کہی ہیں میں انکا شکریہ
ہوں اور چونکہ قدیم سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ کتابوں کے آخر یا اول
میں تاریخین اور تقریریں درج کی جاتی ہیں۔ لہذا میں نے بھی یہ تاریخین
شکریہ کے ساتھ یہاں درج کی ہیں خصوصاً عالیجناب مولوی عبدالحی صاحب
وصف اور عالیجناب مولوی صدیق حسن صاحب عاشق کا میں نہایت شکر گزار
ہوں اور فی الحقیقت ان دونوں مغز و محترم بزرگوں کی تاریخین مجھے خاکسار
کے لئے سرمایہ ناز و باعث افتخار ہیں فقط

محمد علی

صحیفہ وثوق صرحت شرح دیوان اردو غلیب دہلوی

نوٹ - (=) یہ علامت جو براکٹ میں لکھی ہے مساوات کی ہے۔
انگریزی میں یہ قاعدہ ہے کہ جس لفظ کے معنی بیان کرتے ہیں اُس لفظ
کے بعد یہ علامت بنا دیتے ہیں۔ مساوات کی علامتیں اور ڈیش اور
اشعار کے تعدادی ہندسات و وثوق صرحت میں میں نے لکھے ہیں چونکہ مساوات
کی علامت اردو کی شرح میں ایک تازہ ایجاد تھا لہذا کہیں کہیں مجھے
کچھ سوہو گیا ہے لہذا میں نے نظر ثانی کر کے مع دیگر اخلاط کتابت
یہ ضخیم نامہ مرتب کیا ہے۔ اور (-) یہ علامت جو براکٹ میں لکھی ہے
وفصل کی ہے جسکو انگریزی میں ڈیش کہتے ہیں فقط واجد عفی عنہ

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
-	=	۵	۹	-	=	۶	۵
دیدہ خواب	دیدہ	۷	۹	-	=	۸	۵
-	=	۷	۹	-	=	۱۱	۶
-	=	۸	۱۰	-	=	۱۷	۶
-	=	۹	۱۰	-	=	۱۱	۷
-	=	۱۰	۱۰	-	=	۱۵	۷
-	=	۱۱	۱۰	کہ	کو	۹	۸

صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صفحہ
-	=	۱۳	۲۲	-	=	۱۵	۱۰
سادہ دلی	سادہ دلی	۳	۲۷	-	=	۱۵	۱۱
پھلا اور	اور	۱	۳۰	-	=	۸	۱۲
دیکھ کر شاد ہے	دیکھ کر	۱۳	۳۵	اشد من	اشد	۸	۱۳
ہماری	ہماری	۱۳	۳۵	-	=	۱۰	۱۲
شمشاد	شمشا	۴	۳۶	-	=	۱۲	۱۲
سلک	سلک	۲	۳۷	-	=	۱۵	۱۲
زرگس -	زرگس =	۷	۳۷	چارہ جو	چارہ جو	۱۷	۱۲
آ	آ	۱۷	۳۸	-	=	۶	۱۳
خنجر -	خنجر =	۱۷	۳۹	-	=	۱۰	۱۳
رکتا	رکتا	۴	۴۰	ناموس	ناموس ناموس	۱۱	۱۴
بے سبب -	بے سبب =	۵	۴۰	کی	کا	۲	۱۷
-	=	۷	۴۰	-	=	۵	۱۸
-	=	۱	۴۱	-	=	۱۶	۱۸
-	=	۶	۴۱	کی	کے	۲	۱۹
نہروئی صق	نہروئی صق	۶	۴۱	سیری	اپنی	۸	۱۹
دبستان پر	دبستان	۱۷	۴۱	تڑپ	تڑپ چھ	۸	۲۰
نکدان -	نکدان =	۶	۴۲	کی	کا	۷	۲۱

صحیح	غلط	۱	۲	صحیح	غلط	۱	۲
-	=	۲	۵۳	کی	کی کی	۳	۵۳
تمہی	تھا	۹	۵۴	-	=	۱۲	۵۴
-	=	۱۵	۵۵	تا کہ	کہ	۱۲	۵۵
اک	یک	۱۶	۵۵	اسکی	اوسکی	۱۶	۵۵
-	=	۳	۵۶	-	=	۱۲	۵۶
میری	اپنی	۸	۵۷	ہو جاتی	ہو جاتا	۱	۵۷
کو	کی	۱۲	۵۷	کرتا جاے	کیا جاے	۸	۵۷
-	=	۷	۵۸	پر	کا	۱۷	۵۸
کو	کی	۱۶	۵۸	ہی	ہی	۱۲	۵۸
-	=	۲	۶۰	-	=	۱۱	۶۰
-	=	۵	۶۲	-	=	۱۳	۶۲
کہ	کر	۹	۶۲	-	=	۲	۶۲
نوینہ	توینہ	۱۶	۶۲	گزار	گزار	۵	۶۲
کے	کی	۱۷	۶۲	پھونچے	پونچے	۲	۶۲
خوف -	خوف =	۵	۶۳	نہ نگار -	نہ نگار =	۱۱	۶۳
اُن	ان	۱۲	۶۳	کرتا ہے	کرتی ہے	۲	۶۳
آئے	آئے	۱	۶۴	پیم قیاس -	پیم قیاس =	۷	۶۴
حقیقت -	حقیقت =	۱۰	۶۴	جلے	جلے	۱	۶۴

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
ہم تو	ہم	۱۵	۷۱	عوقت	عرب	۱۰	۶۴
استجاری	استحقاری	۷	۷۲	-	=	۱۴	۶۴
نہیں	نہیں =	۸	۷۴	مشاہد	مشاہدہ	۱۴	۶۴
جسکو	جسکا	۳	۷۵	آئینہ	آئینہ	۳	۶۵
-	=	۸	۷۵	کہ ہے	کہ ہے =	۱	۶۷
-	=	۸	۷۵	-	=	۲	۶۷
تھی	تھی	۱	۷۸	وہ طاقت	طاقت	۶	۶۷
تھی	تھی	۲	۷۸	-	=	۱۴	۶۷
صرصر	سر سر	۴	۷۸	الغ -	الغ =	۲	۶۸
آئینہ	آئینہ	۶	۷۸	جانتا ہے کہ	جانتا ہے	۱۰	۶۸
پا -	پا =	۷	۷۸	دیا ہے	دی ہے	۲	۶۹
-	=	۱۵	۷۸	ہے	ہی	۱۱	۶۹
اپنی	اپنا	۹	۷۹	یون	پون	۱۵	۶۹
اس سے	اس سے	۱۱	۷۹	اس کی	اس کا	۱	۷۰
قوت	قوت	۱۱	۸۰	-	=	۴	۷۰
نہ پہونچے	نہ پہونچا	۱۲	۸۰	-	=	۱۴	۷۰
گر	اگر	۱۳	۸۰	یہاں تک کہ	یہاں تک	۶	۷۱
-	=	۱۴	۸۰	-	=	۱۰	۷۱

نمبر	نمبر	نمبر	نمبر	نمبر	نمبر
۱	۱	۱	۱	۱	۱
۲	۲	۲	۲	۲	۲
۳	۳	۳	۳	۳	۳
۴	۴	۴	۴	۴	۴
۵	۵	۵	۵	۵	۵
۶	۶	۶	۶	۶	۶
۷	۷	۷	۷	۷	۷
۸	۸	۸	۸	۸	۸
۹	۹	۹	۹	۹	۹
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
۱۵	۱۵	۱۵	۱۵	۱۵	۱۵
۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶	۱۶
۱۷	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷
۱۸	۱۸	۱۸	۱۸	۱۸	۱۸
۱۹	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹
۲۰	۲۰	۲۰	۲۰	۲۰	۲۰
۲۱	۲۱	۲۱	۲۱	۲۱	۲۱
۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲	۲۲
۲۳	۲۳	۲۳	۲۳	۲۳	۲۳
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴
۲۵	۲۵	۲۵	۲۵	۲۵	۲۵
۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶
۲۷	۲۷	۲۷	۲۷	۲۷	۲۷
۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸	۲۸
۲۹	۲۹	۲۹	۲۹	۲۹	۲۹
۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰	۳۰
۳۱	۳۱	۳۱	۳۱	۳۱	۳۱
۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲
۳۳	۳۳	۳۳	۳۳	۳۳	۳۳
۳۴	۳۴	۳۴	۳۴	۳۴	۳۴
۳۵	۳۵	۳۵	۳۵	۳۵	۳۵
۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶	۳۶
۳۷	۳۷	۳۷	۳۷	۳۷	۳۷
۳۸	۳۸	۳۸	۳۸	۳۸	۳۸
۳۹	۳۹	۳۹	۳۹	۳۹	۳۹
۴۰	۴۰	۴۰	۴۰	۴۰	۴۰
۴۱	۴۱	۴۱	۴۱	۴۱	۴۱
۴۲	۴۲	۴۲	۴۲	۴۲	۴۲
۴۳	۴۳	۴۳	۴۳	۴۳	۴۳
۴۴	۴۴	۴۴	۴۴	۴۴	۴۴
۴۵	۴۵	۴۵	۴۵	۴۵	۴۵
۴۶	۴۶	۴۶	۴۶	۴۶	۴۶
۴۷	۴۷	۴۷	۴۷	۴۷	۴۷
۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	۴۸
۴۹	۴۹	۴۹	۴۹	۴۹	۴۹
۵۰	۵۰	۵۰	۵۰	۵۰	۵۰
۵۱	۵۱	۵۱	۵۱	۵۱	۵۱
۵۲	۵۲	۵۲	۵۲	۵۲	۵۲
۵۳	۵۳	۵۳	۵۳	۵۳	۵۳
۵۴	۵۴	۵۴	۵۴	۵۴	۵۴
۵۵	۵۵	۵۵	۵۵	۵۵	۵۵
۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	۵۶	۵۶
۵۷	۵۷	۵۷	۵۷	۵۷	۵۷
۵۸	۵۸	۵۸	۵۸	۵۸	۵۸
۵۹	۵۹	۵۹	۵۹	۵۹	۵۹
۶۰	۶۰	۶۰	۶۰	۶۰	۶۰
۶۱	۶۱	۶۱	۶۱	۶۱	۶۱
۶۲	۶۲	۶۲	۶۲	۶۲	۶۲

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
-	=	۵	۱۳۹	گل	گل	۱۶	۱۰۶
-	=	۸	۱۳۹	اُسکے	اُن کے	۱۶	۱۰۶
-	=	۱۲	۱۳۰	فراغت	فراغت	۱	۱۰۹
-	=	۱۷	۱۳۰	نظارہ	نقارہ	۱۰	۱۰۹
-	=	۶	۱۳۱	-	=	۱۳	۱۱۲
الخ -	الخ =	۱۰	۱۳۱	آسے	آئے	۴	۱۱۳
-	=	۱۳	۱۳۱	-	=	۱۱	۱۱۵
بارہ پیمائی	بارہ پیمائی	۹	۱۳۳	بالغرض	بالغرض	۱۴	۱۱۶
در مقام	مقام	۳	۱۳۴	مری	میری	۶	۱۱۹
خزانے	خزانہ	۶	۱۳۴	-	=	۷	۱۱۹
میری	میرا	۳	۱۳۵	-	=	۵	۱۲۳
جسکو	جسکا	۱۶	۱۳۵	بازار	گلزار	۱۴	۱۲۴
ریشہ دوانی	رشتہ دوانی	۳	۱۳۶	-	=	۷	۱۲۵
کے اندازے	کی اندازی	۷	۱۳۶	-	=	۱۳	۱۲۵
-	=	۵	۱۳۷	-	=	۱۵	۱۲۶
کی	کے	۸	۱۳۷	الخ -	الخ =	۱۲	۱۲۷
شوق	شوق	۱۴	۱۳۷	-	=	۲	۱۲۸
کی	کا	۳	۱۳۸	میرے	میری	۱۴	۱۲۸

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
ہی	ہے	۱	۱۵۷	ہنگامہ آرا	ہنگام آرا	۱	۱۳۹
-	=	۱۰	۱۵۷	چھوڑ	چوڑ	۱	۱۴۱
-	=	۱۰	۱۵۷	آئینہ	آئینہ	۴	۱۴۱
-	=	۱۳	۱۵۷	دیدہ حیران	دیدہ حیران	۶	۱۴۱
-	=	۱۵	۱۵۷	ساغو کی	ساغو کا	۱۱	۱۴۳
-	=	۱۵	۱۵۷	الغ	الغ	۱۳	۱۴۴
جبران کی	جبران کی	۹	۱۵۸	قدم	قدم	۱۴	۱۴۴
میکشی	میکشی	۱	۱۶۰	کی	کا	۴	۱۴۵
تھی	تھی	۱	۱۶۰	لفظ	لفظ	۱	۱۴۶
الغ	الغ	۹	۱۶۰	نگد الغ	نگاہ الغ	۳	۱۴۷
قہای	قہای	۱۵	۱۶۰	بڑھی	بڑی	۴	۱۴۷
-	=	۱۲	۱۶۲	پروا	پروا	۸	۱۴۷
بے عاشق کے	بے عاشق	۱۷	۱۶۲	کس نے کہ	کس نے	۱۳	۱۴۹
-	=	۱۵	۱۶۴	پریش	پریش	۸	۱۵۰
بجھ کے	بجھ کے	۱۰	۱۶۷	-	=	۱۷	۱۵۲
گوئی کے	گوئی کے	۱۰	۱۶۷	-	=	۱۰	۱۵۳
گر گئی	گر گئی	۳	۱۶۹	نامیدی	نامیدی	۱	۱۵۵
شکار	شکار	۱۳	۱۷۰	آئینہ	آئینہ	۱۴	۱۵۵

صحیح	غلط	۱۴۵	۱۴۶	صحیح	غلط	۱۴۵	۱۴۶
گڑوا دیا	گڑوا دین	۳	۱۴۵	-	=	۱۵	۱۴۰
درد خواری	درد خواری	۱۱	۱۴۵	آئینہ	آئینہ	۹	۱۴۱
-	=	۵	۱۴۲	اسکو	اسکا	۸	۱۴۲
طاق	طلاق	۶	۱۴۲	پوچھتے تھے	پوچھتے تھے	۱۵	۱۴۳

تمام شدہ صحت نامہ مرتبہ خاکسار محمد عبدالواجد عفی عنہ و آجد

نوٹ معارف کے ریمارک پر یہ صحت نامہ نہایت احتیاط کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ شائقان کلام غالب اس کے مطابق تصحیح کر لیں گے۔ الحمد للہ اب کوئی غلطی باقی نہ رہی فقط واجد عفی عنہ
۵ مئی ۱۹۰۲ء عیسوی

مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

حصه اول باب الف

و توفیق مرحمت

و جدان تحقیق

اس ضمیمہ

نماز محمد عبد الواحد واجد الخلق فزادها لجمالها لا ناسوسى شيخ محمد
والله مرحوم مفعول مدین گورنٹ سٹی ہائی اسکول لکھنؤ کے تصنیف کیا

تاکو کرم نظامہ دینیہ
مطبعہ دارالافتاء دارالحدیث



نقش فریادی ہو کسی شوخی تحریر کا کاغذی ہی سپرین ہر پیکر تصویر کا

چونکہ تصویر اکثر کاغذ پر ہوتی ہے لہذا تصویر کو کاغذی سپرین یعنی پوشاک کاغذی
 وارندہ قرار دیا ہے۔ اس شعر کے لئے مجھے ہو سکتا ہیں کہ تصویر زبان
 حال سے نظم و فریاد کرتی ہے مگر ان معنوں میں کوئی لفظ و رمز و نسبت
 نہیں ملتا کہ اس سے حاصل کچھ نہیں اور تاویل و تفسیر میں بہت کچھ گنجائش ہے
 چنانچہ بعض لوگ اس شعر کو تصوف میں لئے جاتے ہیں اور صوفیانہ معنی
 بیان کرتے ہیں مگر خود ان کو یقین نہیں کہ مقصود قائل ہی ہو۔ اور یہی
 ممکن ہے کہ مرزا نے مولانا سے روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے
 بشنوائے چون حکایت میکند + وز جدانی شکایت میکند
 پیغمبروں خدا کیا ہو بچنے کی جگہ نقش و شکایت کی جگہ فریاد اختیار کیا ہو
 اور اسی لحاظ سے اسکو دیوان کا مطلع قرار دیا ہو مگر یہ مضمون اس مطلع سے

صراحت اور وضاحت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ مولانا کے شعر میں جدائی کا
 لفظ ایسا ہے کہ جس سے شعر کے معنی بآسانی معلوم ہوتے ہیں معہذا وہ
 شہسوی ہے اور علم تصور کے متعلق ہے۔ مولانا ہے مہر و ح نے مضمون
 کو سلسلہ وار تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس مطلع میں وہ بات کہان
 غزل کے شعور میں اس قدر تعقید معنوی معیوب ہے گو یا معنی کا خون کرنا ہے کسی
 شوخی تحریر اور ہر پیکر تصویر یہ ہے ایسے الفاظ ہیں جو شعر کو مورد طعن بنا رہے ہیں۔
 کیا خدائے پاک کو کوئی عاقل شوخی لینے جسارت کے ساتھ منسوب کر سکتا ہے۔
 اس کا جواب یہی ہے کہ ہرگز نہیں شعر اسے فصاحت شعار کا ہی دستور رہا ہے
 کہ تعقیدات معنوی سے اجتناب و احتراز کرتے رہے تاکہ کلام مہل اور بے معنی
 نہ ہو جائے۔ پیر میں کا غدی = فارسی والون کی اصطلاح ہے۔ اس کے
 معنی وثوق صراحت میں دیکھئے۔ نقش = صورت و نگار و تصویر۔
 نقوش اسکی جمع ہے اس شعر میں نقش یعنی تصویر آیا ہے۔ فریادی =
 فریاد کنندہ۔ فریاد کرنے والا۔ مگر اردو کے قاعدہ سے تصویر چونکہ تائید
 ہو نہایمان فریاد کرنے والی کہنا چاہئے یعنی تصویر کی شوخی تحریر کی فریاد
 کرنے والی ہے۔ فریادی میں چوایاے تختانی آخر میں ہے اسکو
 یاے فاعل کہتے ہیں کیونکہ اس یاے کے معنی اسم فاعل کے ہوتے ہیں۔
 کا غدی = منسوب بہ کاغذ۔ کاغذی کی یا۔ یاے نسبتی ہے۔ پیر میں =
 اس لفظ میں باے فارسی گو کسرہ ہے پیر میں۔ یعنی پوشاک و لباس۔
 پیرایان و پیراہن و پیرہن اس لفظ کے مترادف ہیں۔ پیر میں اصل میں کثر کو

کہتے ہیں مولانا نے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۵ حالیا دل دامنہم تراقتہ
 بوے پیرا مان یوسف یافتہ است ۶ اور سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 ۵ زمرش بوے پیرا ہن تندی ۶ چرا در چاہ کغاش ندیدی ۶
 پیرا ہن سیما بی و پیرا ہن آبی - اسکے دو سہ مرکبات ہیں - پیکر =
 بروزان قیصر کا لہذا اور جثہ اور صورت اور تن کو کہتے ہیں - یہاں غصو
 اور جثہ کے معنی ہیں اور پیکر بمعنی بت بھی آیا ہے لہذا بت خانہ کو پیکرستان
 بھی کہتے ہیں گراس شعر میں یہ معنی مقصود نہیں ہیں - شوخی بوا و مچھو ل
 طرازی و بیباکی اور اس لفظ کا اطلاق اشیاء ذات الحکمت میں ہوتا ہے
 محقق کامل ادیب فاضل میرزا ہدایت مرحوم امیر الشعراء سے پاسے تخت ایران سے
 فرسنگ سخن آرا سے ناصری میں اس لفظ کی تحقیق کے متعلق لکھا ہے کہ در بیان
 عوام شوخی کردن بمعنی طرافت کردن معروف شدہ و لطیفہ گفتن بمعنی بد و کناہ گفتن
 و ہر دو بخلاف است و شعر شوخ را بمعنی معشوق خوش خلق شہرت دادہ اند و غلط
 منسوب شدہ شیخ سعدی رح بمعنی اصل ملاحظہ کردہ و گفتہ ۵ شوخی مکن
 اید و شمت کہ صاحب نظر نندہ بیگانہ و خویش ازین و شمت نکرانند ۶ شوخ چشم
 و شوخ دیدہ معشوق بے جیا و طرار - شیخ سعدی رح گفتہ ۵ پس سے شوخ چشم
 و شتی گیر ۶ شوخ چشمی کہ بگلہ زنجیر انتہی حاصل یہ کہ لفظ شوخ بمعنی طرار و
 بیباک و دلیر آیا ہے اور یہ لفظ معشوق کی صفت میں ہی استعمال ہوتا ہے
 اور اسکے معنی ظریف الطبع اور معشوق خوش خلق کے غلط ہیں - اس کے مرکبات
 شوخ چشم - اور شوخ دیدہ - اور شوخ رو - اور شوخ زبان - اور شوخ طبع - اور

اور شوخ طبعیت اور شوخ تراز و صبح اور ستم اور شہورین - چونکہ روزمرہ اور بول چال میں اہل لسان و اہل معروف و مجهول میں کچھ فرق نہیں کرتے لہذا شوخ کو اہل معروف کے ساتھ ہی بولتے ہیں اگرچہ وہ اصل میں بول و مجهول ہے۔ ہندوستان میں شوخی بمعنی خوبی بھی مشہور ہے چنانچہ شیخ ناصر علی سرہندی کہتے ہیں ۵ باین شوخی غزل گفتن علی انرس نمی آید ہ بایران میفرستم تا کہ میگوید جوابش را چنانچہ تذکرہ گلزار اعظم میں شیخ ناصر علی کے اس شعر کے تحت میں شوخی کے معنی خوبی لکھے ہیں مگر اہل لغت نے اس معنی کو نہیں لکھا ہے۔ غالباً یہ مجازی معنی ہونگے۔ مرزا غالب مرحوم کے اس مطلع میں ہر اور پیکر کے الفاظ را ندا و خوشبو پیچ میں کیونکہ صرف اس قدر کہہ دینا کہ تصویر کا پیرہن کاغذی ہے ادائی مطلب و اظہار مضمون کے لئے کافی و کفایتی ہے مگر یہ بھی اشتباہ ہو سکتا ہے کہ الفاظ تاکید کی غرض سے لائے ہیں کاغذین جامہ بمعنی کاغذی پیرہن فارسی میں آیا ہے۔

کا و کا و سخت جانی تے تنہائی نہ چہم	صبح کرنا شام کا لانا ہے جی شیر کا
-------------------------------------	-----------------------------------

یعنی میں شب فراق میں صبح ہونے سے پیتر مر جاؤنگا۔ کا و کا و۔ حاصل بالصدر ہے کا ویدن کا۔ کا ویدن کے معنی میں کہودنا۔ کا و کا و یعنی شخص اور تجس اور تراشنا اور زمین کہودنا۔ اصل میں خزانون اور دینوں کی تلاش کو کا و کا و کہتے ہیں مگر یہ لفظ استعمال کے لحاظ سے لفظ عام نہیں ہے بلکہ خاص موقع پر بولا جاتا ہے یعنی ناخن سے رانغ

یا زخم کے کہو دے اور کریدنے کو کاوکا و کہتے ہیں۔ کاوتہا امر کا صیغہ ہے
 کاویدن سے۔ اوسکی تکرار سے یعنی کاوکا و کہنے سے حاصل مصدر بنایا گیا ہے
 اور کاوش اسکا مترادف لفظ ہے جو کافتن کا حاصل مصدر ہے۔ مین نے
 بعض صاحبوں کی زبان سے سنا ہے کہ لفظ کاوکا و پر اعتراض کرتے تھے
 اور کہتے تھے کہ یہ لفظ غیر فصیح ہے اور غزل میں لانے کے قابل نہیں ہے
 مگر خاکسار یہ کہتا ہے کہ اس لفظ کی صحت اور فصاحت میں کوئی شک نہیں ہے
 چنانچہ عرفی شیرازی رحم فرماتے ہیں ۵ بے گریہ دوستدار تو آرام گیر نیست
 یا کاوکا و دیدہ و دل یا گریستن ۶ اور میرزا صائب رحم فرماتے ہیں ۵
 از کاوکا و آن قرہ ام بے خبر ہنوز ۶ لکھتہ خون من زبان نیست ہنوز ۶
 سخت جان = وہ جاندار ہے جسکی جان اسکے بدن اور قالب سے دیر اور
 مشکل کے ساتھ نکلے۔ آسانی سے اسکی جان اسکے جسم سے جدا نہو یہ اسم
 صفت ہے از قبیل نیک سیرت و جوان بخت و دراز قامت وغیرہ یعنی ایک
 اسم صفت اور دوسرے اسم غیر صفت سے مرکب ہے۔ سخت جانی = اسکا
 اسم ذات ہے بمعنی مصدر یعنی سخت جان ہونا سخت جانی میں جیسا ہے وہ یا می مصدر بھی ہے
 کیونکہ اس یا کے معنی مصدر کے ہوتے ہیں۔ جب اسم صفت کو اسم ذات
 بنایا جاتے ہیں تو اسم صفت کے آخرین یا سے مصدری لگا دیتے ہیں۔
 جسے نیکی و بدی یعنی نیک یا بد ہونا اس شعر کے مصرع اول میں نہو چہ کی
 جگہ پر اس کا لکھ دیا جائے تو سالم مصرع فارسی ہو جاتا ہے مصرع
 کاوکا و سخت جانی ما سے تنہائی پیرس۔

جذبہ بے اختیار شوق دیکھا جائے

سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

سینہ شمشیر = یعنی صدر شمشیر۔ شمشیر کی دھاریہ سینہ شمشیر فارسی کے اہل
لسان کی اصطلاح نہیں ہے یہ ترکیب میرزا صاحب کے اختراعات میں
سے ہے اہل لسان دم شمشیر اور دم تیغ اور دم خنجر اور لب تیغ اور دھن تیغ اور
روے تیغ کہتے ہیں اور اس کی ضد پشت شمشیر ہے مرزا صاحب فرماتے
ہیں پشت شمشیر سوال از دم بود خونیر تر بہ خامشی را بدتر از ابرام میدانیم ما
مرزا غالب کے اس شعر کے مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے
اس شعر میں شمشیر کو سینہ سے تشبیہ دی ہے اور وجہ تشبیہ بالکین اور اکڑنا
اور تھنا ہے اگر شمشیر کو مشبہ اور سینہ کو مشبہ بہ قرار نہ دیں تو معنی شعر میں خلل
واقع ہوتا ہے یعنی شمشیر کو شخص دی روح قرار دینا پڑے گا جو بے لطف اور
پر تصنع بات ہے بلکہ شعر باریہ بلاغت سے بالکل گر پڑے گا۔ شعر کا مضمون
ظاہر ہے کہ دم شمشیر جو شمشیر سے باہر ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عاشق جو شایق
شہادت ہے اس کے جذبہ بے اختیار شوق نے اسکو تلوار سے باہر
کھینچ لیا ہے۔ شمشیر = مرکب ہے شمشیر سے شمشیر یعنی ناخن اور شمشیر یعنی
اسد زندہ مشہور چونکہ تلوار کی شکل ناخن شمشیر سے مشابہت رکھتی ہے لہذا
فارسی میں تلوار کو شمشیر کہتے ہیں۔

اگر ہیام شنیدن حقد چاہے چہاے

مداغ قہا ہی اپنے عالم فقیر کا

غالب مرزا نے یہ شعر اپنے ان اشعار کی نسبت کہا ہے جو طرز خیال بندی میں

فکر کئے ہیں اور طریقہ تبدیل رحم پر کہے ہیں کیونکہ جو اشعار صاف ہیں ان کا مدعا
 تو اظہر من الشمس ہے اور مرزا کے صاف اشعار کی حلاوت و لطافت
 اور ان کی عمدگی اور دلچسپی اور ان کی شیرینی و تازگی گل استادوں کے
 پاس مقبول اور جمہور کے نزدیک مسلم ہے اور انہیں صاف اشعار سے
 مرزا کی استادی کا ڈنکا تمام ہندوستان میں بجا ہوا ہے۔ مرزا غالب کے
 جو اشعار سید ہے سادے اور صاف ہیں وہ مرزا رفیع سودا رحم اور میر تقی میر
 کے اعلیٰ اور منتخب اشعار سے کچھ کم نہیں ہیں۔ مرزا نے راستی اور سچائی کی
 راہ سے یہ شعر کہا ہے اور اس شعر میں اپنی خرابی طرز کا آپ ہی اعتراف کیا ہے
 اسی کو انصاف کہتے ہیں درحقیقت مرزا بیدل اور شیخ ناصر علی اور مرزا جلال
 اسیر اور مرزا غالب وغیرہ نے جو اشعار خیال بند ہی کی روشنائی و انتہا پر
 کہے ہیں وہ مہل اور بے معنی نہیں ہیں تو کیا ہیں۔ ہر ایک شخص ان کا ایک
 علیحدہ معنی بیان کرتا ہے، پہلا یہ ہے کہ کوئی جادہ گفتار ہے۔ سراسر درود
 و سرمایہ آزار ہے۔ ایسا کلام خیالات بنگ کا ہمدرد اور دار ہے۔ یا بقول
 مرزا عفا کردار ہے۔ چونکہ اس شعر میں مدعا کو عفا قرار دیا ہے لہذا شنیدن
 کو دام کہا ہے۔ میرے کی جگہ اپنے تاکید کی غرض سے کہا ہے آگہی۔
 واقعیت و شناسائی۔ آگاہی کا مخفف ہے اس شعر میں آگہی کو صیاد اور
 شکاری سے تشبیہی ہے کیونکہ شنیدن دام اور مدعا عفا ہے تو ان کے
 کوئی شکاری ضرور تھا۔ تشبیہ کو جو صیاد ہے حذف کر دیا ہے اور اس کو علم
 بیان میں استعارہ بالکنایہ اور استعارہ بالکنایہ اور استعارہ ملتی کہتے ہیں۔

اور دام و عتقا قرنیہ ہے اور یہ استعارہ تخیلیہ ہے۔ یعنی قرنیہ کو استعارہ تخیلیہ کہتے ہیں۔ استعارہ لکھنی کا پورا بیان علم بیان میں دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ دام بچپانا = دام کردن کا ترجمہ ہے مدعا = مطلب عتقا = بالفتح عربی میں سیرغ کو کہتے ہیں اس طائر کی گردن دراز ہوتی ہے بعض لوگ عتقا بالضم کہتے ہیں اور یہ غلط ہے اس پرندے کے متعلق قسم قسم کی نقلین مشہور ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس پرندے کا وجود قدیم زمانہ میں تھا اور اب نہیں ہے آدمیوں کے بچوں کو اٹھا کر لے جایا کرتا تھا اور یہ اسکی غذا تھی لہذا کسی پیغمبر صاحب کی بددعا سے کوہ قاف میں محصور اور بند ہو گیا بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسکا وجود فرضی ہے کیونکہ کسی نے اسکو نہیں دیکھا ہے بہر حال ہا کی طرح عتقا بھی ایشیا کی شاغری کا جزو اعظم ہے اور یہاں کے شعرا نے اس کے متعلق بہت سے شاعرانہ مضمون پیدا کئے ہیں۔

بسکہ ہوں غالب سیری میں بھی آتش زنیایا	سوے آتش دیدہ حلقہ میری زنجیر کا
---------------------------------------	---------------------------------

مطلب یہ ہے کہ میرے پاؤں میں زنجیر نہیں ہے۔ حالانکہ میرے پاؤں میں زنجیر پہنا دیا جاتی ہے مگر اس کے حلقے میری آتش عشق سے سوے آتش دیدہ کی طرح جل جلتے ہیں اور میں بہر پایا آزاد اور غیر مقید ہوتا ہوں۔ مرزا اس نے اس مضمون کو دوسری جگہ اسطرح بیان فرمایا ہے ۵ مانع دشت نور دمی کی تہ زنجیر نہیں نہ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں + غالب + منادی

یعنی اسے غالب مومی = بال۔ آتش دیدہ = آگ دیکھا ہوا۔
 یعنی وہ شے جو آگ لگی ہے۔ آتش دیدہ اسم صفت مرکب جو دو اسموں سے
 مرکب ہوا ہے ایک تو اسم ذات یعنی آتش اور دوسرا اسم مفعول یعنی دیدہ۔
 اسیری = قید۔ آتش زریا = اسکے مجازی معنی میں مضطر و مکیاب
 مگر بیان مجازی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ حقیقی معنوں کو اختیار کیا جائے تاکہ
 شعر کے معنی میں خلل واقع نہ ہو۔ بسکہ = بسکہ اور از بسکہ اور بس اور بس
 یہہ چاروں لفظ مترادف ہیں اور کثرت اور افراط و فراوانی و بہتات کے
 معنوں میں آتے ہیں۔ بسکہ اور از بسکہ اور از بس اردو زبان میں مستعمل ہیں
 مگر بس بمعنی افراط و کثرت صرف فارسی میں آتا ہے نہ اردو میں۔ اور ان
 لفظوں میں کاف کا حذف کر دینا جائز ہے اور کبھی حرف از کو بھی حذف
 کر دیتے ہیں۔ بسکہ یعنی کثرت اور افراط سے اور از حد کہ۔ بیان سوال
 پیدا ہوتا ہے کہ از بسکہ اور بسکہ میں جو کاف ہے یہ کس قلم کا ہے اس کا جواب
 یہ ہے کہ کاف زائد ہے اور یہ کاف کاف صلا اور کاف بیان ہی ہو سکتا ہے
 اسمین از سبب اور تعلیل کے لئے آتا ہے۔ بس کے معنی میں بہت
 اور کافی اور خاموش یعنی خاموش ہو بصیغہ امر۔ عجمی ہی نے آتش
 زمستان کی صفت میں کہا ہے بس کہ زردشت بگردید و کنون
 باز ناچار کند رو سے سوی قبلہ زردشت بس کہس۔ یعنی بہت لوگ
 بہت سے اشخاص حکیم سنائی رحمتہ اللہ علیہ فواتے ہیں اولیٰ آخر
 قرآن زچہ با آندوسین یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس بس یعنی

کافی و مکتفی و کفایت کنندہ۔ کسی کا فارسی شعر ہے **رو رو کہ تکیا میت تو**
 ناگفتہ بہ است * بس بس کہ حکایت تو نشقہ نکوست۔ بس بس یعنی خاموش
 ہو خاموش ہو۔ بسند اس کا مترادف ہے۔

جستہ الماس رخاں داغ جگر پرہ
 سبا کا داس غمخوار جان درمند آ یا

تخفہ اور الماس اور پرہ یہ تینوں لفظ مترادف ہیں۔ تخفہ اور پرہ یہ عربی لفاظ ہیں
 اور الماس فارسی کا لفظ ہے۔ شاعر نے جراثحت اور الماس اور داغ جگر کو
 تخفہ قرار دے ہیں اور ان تخفون کو جان درمند کے غمخوار اور غم گسار
 مقرر کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو مصائب و تکالیف ہم پر پڑتے ہیں
 ہم ان کی برداشت کرتے ہیں اور ہمت نہیں ہارتے بلکہ ان تکلیفوں اور
 مصیبتوں کو آرام و راحت خیال کرتے ہیں اور اسی واسطے ان کو غمخوار جانتے ہیں
 اور ان کی آمد پر مبارک دیتے ہیں۔ ابن نضوح شیرازی رحمہ اللہ کہتا ہے
 رباعی با فاقہ و فقر ہمیشہ کر دی * بے مونس بے یار و قرینم کر دی *
 این مرتبہ مقربان در لست * آیا بچہ خدمت این چنینم کر دی * دوسرے
 صفحہ پر ہیں کہ جراثحت اور الماس اور داغ جگر ملک اور جان ستان
 چیزیں ہیں۔ ہکو یہ چیزیں ملی ہیں اب ہم مرجائیں گے اور ہم کو
 مصائب سے نجات حاصل ہوگی چونکہ ہم زندگی میں مبتلا سے آفات ہیں۔
 لہذا ان چیزوں کے آنے سے خوش ہوتے ہیں اور مبارک باد دیتے ہیں
 کہ اب مرجانے سے دنیا کے جگر ٹون اور زحمتوں سے نجات حاصل ہوگی

غمنحو ار آیا = یعنی ہدیہ غمنحو ار ہے۔ ہدیہ غمنحو ار آیا۔ آیا کی جگہ آمد رکھ دیجئے
تو سالم شعر فارسی بن جاتا ہے۔ جبراحت تحفہ الماس ارغمان داغ جگر
ہدیہ۔ مبارک باد اسد غمنحو ار جان درد مند آمد۔

جنز قیس امر کوئی نہ آیا بروی کار صحر اکر بہ تنگی چشم حسود تھا

قیس = مجنون عامری کا نام ہے جو قبیلہ بنی عامر کے ایک رئیس کا بیٹا تھا۔
لیکھا ہے عامری پر عاشق تھا اور اس کے عشق میں شہ سجری میں انتقال کیا
کہتے ہیں کہ لیل ہی اوس پر عاشق تھی۔ اور = دوسرا۔ دیگر۔ بروی
کار آتا = بروی کار آمدن کا ترجمہ ہے۔ بروی کار آمدن یعنی میدان
میں آنا۔ رونق پذیر ہونا۔ مشہور ہونا۔ ظاہر ہونا۔ آشکار ہونا۔ میرزا
صائب فرماتے ہیں = یا قوت ابدار تو آورد عاقبت خطی سرو
کار کہ یہ جان بگرد رفت خط را بروی کار آورد یعنی خط کو ظاہر کر دیا۔
بہ = ہاں تشبیہ یعنی مانتند۔ بہ تنگی چشم حسود یعنی مانند تنگی چشم حسود۔
حسود = نفخ اول و ضم ثانی بروزن فحول بدخواہ اور بہت حد کر نیوالیکو
کہتے ہیں۔ تھا کی جگہ بود لکھ دیجئے تو مصرع فارسی ہو جاتا ہے۔ مصرع
صحر اکر بہ تنگی چشم حسود بود = میں نے ذرا سے تغیر و تبدل میں اس
شعرو پر فارسی بنادیا ہے۔ جنز قیس بیچ مرد نیا بروی کار
صحر اکر بہ تنگی چشم حسود بود

اشفتگی نے نقش سعید کیا درت ظاہر ہوا کہ دراع کا سہریہ دود تھا

نقش درست کرنا = یعنی نقش بنانا۔ نقش تیار کرنا۔ یہہ محاورہ فارسی
 یعنی نقش درست کردن کا ترجمہ ہے۔ سویدا = کالا نقطہ جو دل پہ ہوتا ہے۔
 ترکیب نحوی میں نقش سویدا مفعول بہ ہے یعنی آشفنگی نے نقش سویدا کو
 بنایا یا پریشانی اور آشفنگی یہہ دو نو لفظ مترادف ہیں اور فارسی میں
 آشفنگی بمعنی پریشانی کثرت سے متعل ہے چنانچہ نیز صاحب رحم فرماتے ہیں
 آشفنگی ز عقل پذیر دماغ ماہ فافوس گرد باد شود بر جہانغ ماہ
 اور مولانا ظہوری رحم فرماتے ہیں **و** اعظا چہ کنی دستہ حدیث
 گل و سنبل بہ بر خیز کہ آشفہ دماغ است دل ما۔ اور آشفہ جس سے لفظ
 آشفنگی بنا ہے اردو میں بھی بمعنی پریشان کثرت سے آیا ہے چنانچہ
 وبال آشفہ حالوں کی پریشانی کا پڑتا ہے بچو کنگھی کو سوا ذلف میں تشہیر
 کرتے ہیں اور راقم الحروف کا شعر ہے **و** نسیم صبح اس کا کل فشا نی
 سے ہے آشفہ در کہنا وہ بو اسے نافہ تاتا کیسی ہے فرہنگ
 الجن آر اسے ناصری میں لکھتے ہیں کہ آشفہ بروزن آشفہ بمعنی بہم برآمدہ و
 پریشان۔ اور لغت بہارجم میں لکھا ہے کہ آشفنگی۔ پریشانی و شوریدگی
 وبال لفظ کشیدن و پذیرفتن بصلہ از متعل۔ پس بعض اصحاب جو یہہ کہتے ہیں
 کہ آشفنگی بمعنی پریشانی نہیں آیا یہہ قول انکا غلط ہے۔ **و** دانع = یعنی
 وہی دانع سویدا جو مصرعہ اول میں آیا ہے۔ اصل میں یہہ شعر اسطرح ہے
و آشفنگی نے دانع سویدا کیا درست **و** ظاہر ہوا کہ دانع کا سرمایہ
 دو د تھا۔ مگر چونکہ اس موقع پر تکرار لفظی میجو ہے لہذا دانع سویدا کی جگہ میں

نقش سوید کہا ہے۔ مصرع ثانی میں داغ سے مراد داغ سوید ہے جو ابھی مذکور
 ہوا ہے۔ لفظ داغ کے معنی ہیں دہبا اور نشان اور زخم اور غم وغیرہ۔ اردو واکون
 داغ کو نامیئے علامت مصدر لگا کر داغنا مصدر بنایا ہے اور اسکے معنی
 ہیں فیر کرنا اور توپ یا بندوق چھوڑنا لہذا داغ بصیغہ واحد امر حاضر بھی آیا ہے مگر فارسی
 میں داغیدن کو فی مصدر نہیں ہے۔ داغ فارسی زبان کا لفظ ہے اور یہی
 لفظ ہے جسکو ہندی میں واگ بکاف فارسی کہتے ہیں واگ کے معنی جلاؤ اور مٹاؤ
 کے ہیں۔ داغ اٹھانا اور داغ دینا اور داغ کہا نا اور داغ لگنا لفظ داغ کے مرکبات
 ہیں۔ دود = دھوان سرما یہ = متاع اور پو بھی۔ مرزا کے اس شعر کا
 مطلب یہ ہے کہ سوید جو سیاہ رنگ ہوتا ہے وہ دود غم سے بنایا گیا ہے
 اور اسی واسطے ہر انسان کا بلکہ ہر جاندار کا دل دنیا میں غم و اندوہ سے
 خالی نہیں ہے۔ ہر شخص کا دل کسی نہ کسی وقت مبتلا سے غم ہونا اس بات
 کو ظاہر کرتا ہے کہ سوید کا سرما یہ غم کا دھوان ہے۔ ظاہر ہے کہ دھوان بھی
 سیاہ رنگ ہوتا ہے اور سوید بھی سیاہ ہوتا ہے اور غم کا تعلق دل کے
 ساتھ ہے اور سوید دل پر ہوتا ہے لہذا مرزا نے یہاں سے پتہ چھون
 نکالا کہ دلون کا آشفہ و پریشان و غم زدہ ہونا اس بات کو بتا رہا ہے
 کہ سوید کا سرما یہ دود آشفگی اور دود پریشانی یا دود غم ہے جسکی وجہ سے
 دلون کا آشفہ و پریشان ہونا ضروری اور لازمی امر ہے۔

جس تک یہ کہل گئی نہ زبان نہ سود

تھا جو میں خیال کو تجھ سے معاملہ

خواب خیال صنعت مراعات النظیر ہے اور زبان وسود صنعت
تضاد ہے جسکو صنعت طباق ہی کہتے ہیں۔ آنکھ کھل جانا = یعنی
جاگنا اور بیدار ہو جانا۔ شعر صاف ہے اور اسکا مضمون ظاہر ہے۔

یسا ہو مکتبِ عمل میں سبقِ منور | لیکن یہی رفت گیا اور لود تہا

یعنی مکتبِ عمل میں ہنوز بندی ہوں۔ آئندہ بڑے بڑے غم و اندوہ اس
عاشقِ مین طے کرنے کے ہیں۔ رفت گیا اور لود تھا یہاں تبدیلی چیزیں
میں جیسے بندی اطفال الفاظ یاد کیا کرتے ہیں۔

ڈھانپا کفن نے داغِ عینو برہنگی | مین نہ ہر لباسِ تنگ و چوڑھا

داغ = دہیا۔ عیوب = عیب کی جمع ہے۔ برہنگی = ننگا پن۔ تنگ
شرم و عار۔ وجود = ہستی و زندگی۔ شعر صاف ہے یعنی میرے مرنے سے
میرے عیوب برہنگی پوشیدہ و مخفی ہو گئے۔ کفن نے یعنی موت و مر گئے
کیونکہ مردہ کو کفن پہناتے ہیں لہذا کفن سے موت کا استعارہ کیا ہے
کفن نے مین دونوں کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے ثقل و ترنا پیدا ہو گیا ہے۔

تیشے بغیر نسا کو کھن اسد | گشتہ خارِ رسوم و قیود تہا

تیشے بغیر = یعنی بغیر تیشے کے۔ کو کھن = فرما د کا لقب ہے جو شیر کی
عاشق تھا۔ رسوم = رسم کی جمع ہے۔ قیود = قہر کی جمع ہے۔ تیشہ

بسولا۔ مصرع ثانی میں تھکا کی جگہ بود لکھ دیا جائے تو سالم مصرع فارسی ہو جاتا ہے
 مصرع سرگشتہ خار رسوم و قیود بود و سہرگشتہ = حیران و پریشان۔
 چونکہ خار کا اثر دماغ پر زیادہ تر ہوتا ہے لہذا سر کا لفظ مناسب خار ہے۔

کہتے ہو دینگے ہم دل گر پڑا یا	دل کہاں کہم کیجے ہم مدعا یا
-------------------------------	-----------------------------

دل کہاں الخ = یعنی ہم نے دل کے عوض میں مدعا و آرزو و تمنائے معشوق پائی
 ہے۔ ہمارے سینہ میں دل نہیں ہے بلکہ تمنائے معشوق ہے۔
 کہتے ہو کہ مخاطب معشوق ہے۔

دوستدار شبنم ہوا عمارِ دل معلوم	آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
---------------------------------	---------------------------------

جو دوست تھا وہ دشمن ہے اور دل جس پر بہر و سوا تھا وہ بے اعتبار ہے اور
 آہ بے اثر ہے اور نالہ نارسا ہے یعنی ہماری یہ حالت ہے اور ہم ان
 مصائب میں مبتلا ہیں جیسے خواجہ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 شب تاریک ہے ہم موج و گردا ہے چین بائل و کجا دانند حال ما
 سبکارانِ ساحل کا و اور مرزا نے فارسی دیوان میں کہا ہے
 ہوا خالف و شب تار و بحر طوفانِ خیز و گسستہ لنگر گشتی و ناخدا خفتہ
 اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ آہ و نالہ جو پہلے اثر اور رسائی
 کے لحاظ سے دوستدار تھے اب بسبب اثری و نارسائی کے دشمن بن
 چونکہ آہ و نالہ کا تعلق دل کے ساتھ ہے لہذا دل پر بھر و سوا لکھا جائیگا

کیونکہ دل کبھی دوست نجاتا ہے اور کبھی دشمن ہو جاتا ہے۔ دوست دشمن
 صنعت تضاد ہے جس کے دوسرے نام صنعت طباق اور صنعت مطابقت
 ہیں۔ دوستدار کو بلا اضافت پڑھنا چاہیے کیونکہ اس بیت میں تقابل پایا جا
 ہے یعنی مرزا نے مصرع ثانی میں دو چیزیں بیان کی ہیں۔ ایک چیز آہ اور
 دوسری نالہ۔ اُن کے تقابل میں بلحاظ ترتیب مصرع اول میں دوستدار
 اور اعتمادِ دل دو چیزیں مطلوب ہیں۔ دوستدار کو بلا اضافت پڑھیں تو دل
 اور سکا بتدایہ ہوگا۔ اس حالت میں مصرع اول میں ایک ہی اسم مذکور ہوا اور
 تقابل کا لطف جاتا رہا۔ درحقیقت یہ مضمون خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
 کا ہے۔ خواجہ رح فرماتے ہیں **س** شب تار یک بیم موج و گرد آب چنین بل
 کجا دانند حال ما بسکراں سا حلہا۔ لیکن خواجہ کے شعر میں (حال) کا
 ایسا لفظ ہے کہ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ خواجہ آپ بیتی فرماتے ہیں
 جگ بیتی یا پر بیتی کی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اسمین وہ کیفیت نہیں جو خاص اپنے
 دل اور دماغ اور طبیعت میں پیدا ہوتی ہے۔ معلوم = فارسی کا محاورہ
 ہے بمعنی نیت اسکے معنی یہ ہیں کہ نہیں ہے چنانچہ حیدر علی تہرنری
 کہتا ہے رباعی در کشور ہند شادی و غم معلوم * آنجا دل شاد و چار
 خرم معلوم * جائیکہ بیک پیہ آدم نخرند * آدم معلوم و قدر آدم معلوم
 یعنی کشور ہندوستان میں شادی اور غم نہیں ہے اور وہاں دل شاد
 اور جان خرم نہیں ہے اور آدمی نہیں اور قدر آدمی کی نہیں۔

سادگی و پرکاری بخود می ہشیاری	حسبِ تغافل میں جرات نہ پایا
-------------------------------	-----------------------------

یعنے سادگی کے لئے پرکاری اور بخودی کے لئے ہشیاری لازم ہے۔ کیونکہ حسن جو سادہ اور بخود ہے عین تغافل میں جرات آزمائی کر رہا ہے جو پرکار اور ہوشیار کا کام ہے یعنی معشوقان حسین سادہ پرکار اور مست ہشیار ہیں ان کو سادہ و مست نہ کہئے بلکہ پرکار و ہوشیار کہنا چاہئے کیونکہ اگر سادہ اور مست ہوتے تو جرات آزمائی نہ کرتے۔ یہاں تغافل سے مراد سادگی اور بخودی ہے۔ تغافل میں یعنی سادگی و بخودی میں کیونکہ جو شخص سادہ و بخود ہو گا وہ ضرور غافل ہو گا۔ سادہ حسن کے صفات میں سے ہے مگر بخود حسن کی صفت میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اگر بخودی کے معنی حیرت لئے جائیں تو ہی حسن کی صفت حیران نہیں ہو سکتی۔ یہہ الفاظ یعنی حسن حیران و حسن بخود استادوں کے کلام میں نہیں دیکھے گئے۔ پرکاری = یعنی عیاری و طراری و مکاری۔ بخودی = یعنی مدہوشی و حیرت سادگی و پرکاری اور بخودی و ہشیاری میں واو ملازمہ کا ہے اور سادگی و پرکاری اور بخودی و ہشیاری میں صنعت تضاد ہے۔ یہہ طرز گفتار فصحاء کے پاس معیوب اور نہایت بد نما ہے کیونکہ صرف الفاظ بطور اشارہ رکھ دئے ہیں مقصود قائل میں بے انتہا تعقید ہے۔ نہ معلوم مزار صاحب کیا کہنا چاہتے تھے اور کیا کہہ گئے۔ اس شعر کا پہلا مصرع پورا فارسی ہے مصرع سادگی و پرکاری بخودی و ہشیاری +

خون کیا ہو دیکھا گم کیا ہو پایا

غنجہ پھر لگا کہلنے آج ہم نیا دل

غنجہ اور دل میں شبیہ نامہ اور شبیہ سی ہے اور اسی شبیہ کی وجہ سے مراد صاحب
یہ عمدہ مضمون پیدا کیا ہے غنجہ = گل ناشگفتہ کو کہتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق
کہتے ہیں کہ غنجہ اصل میں گنجہ ہے اور مصدر گنجیدن سے بنایا گیا ہے کیونکہ
غنجہ میں گنجیدن کی اور گرد آوری ہوتی ہے۔ اور لہذا غنجہ بحیم عربی صحیح ہے
نہ بحیم فارسی۔ اگرچہ یہ تحقیق قرین قیاس ہے اور معقول معلوم ہوتی ہے
مگر غنجہ بحیم فارسی کہنا چاہئے کیونکہ یہ لفظ اس طرح گوش آشنا اور شہو
ہو گیا ہے۔ غنجہ بحیم عربی رکاب اور غیر فصیح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل
فصاحت نے اس لفظ میں کاف کی جگہ غین مجہور بحیم عربی کی جگہ جیم فارسی کو فصاحت
کے لئے اختیار کیا ہے۔

حال انہدین معلوم لیکن استفادہ	ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ بار بار پایا
-------------------------------	--

یعنی عاشق ہمارا دل تمہارے پاس ہے ہمارا دل ہمارے پاس نہیں
ہے۔ بلکہ تمہارے نزدیک ہے کیونکہ تم نے اسکو بار بار حاصل کیا ہے۔ اس
شعر میں یعنی عشوق قبیح ہے۔

شوہنہ زنا صبح نے زخم نمک چہر کا	اس سے کوئی بوجہ نہیں دیا
---------------------------------	--------------------------

یعنی شوہنہ زنا صبح سے ہمارا زخم عشق بڑھ گیا۔ جسے زخم پر نمک چہر کہنے سے
سوز بڑھ جاتی ہے مگر ناصح کا کوئی فائدہ نہ ہوا لہذا ناصح نے فضول کوئی کی۔
یہ زندانہ مضمون ہے۔ اس غزل کا وزن فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن

اس بحر کا نام بحر ہرج مشن اشتہر ہے۔ یہاں زخم کے حقیقی معنی جراحت مراد نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی عشق و عاشقی اور اسکی آوارگی مراد ہیں۔ آپ سے یعنی ناصح سے یہاں شور کے معنی غوغا و آشوب کے ہیں اور چہر پر نہک و نکین کو بھی شور کہتے ہیں اگرچہ یہ اخیر کے معنی اس شعر میں مقصود و مطلوب نہیں ہیں مگر لفظ نہک کے ساتھ تناسب و مناسبت رکھتے ہیں لہذا لفظ شور سے اس شعر میں صنعت ایہام التناصیب پیدا ہو گئی اور چونکہ بے تکلف اور بلا تصنع واقع ہوئی ہے لہذا انہایت دلچسپ و پسندیدہ ہے۔ صنعت ایہام التناصیب کی تعریف یہی ہے کہ معنی غیر مقصود کسی دوسرے لفظ کے ساتھ جو کلام کے اندر آیا ہے تناسب کہے۔ اس شعر کا حاصل یہ ہے کہ ناصحوں کی نصیحت سے ہمارا عشق کم ہونیکے عوض زیادہ ہو جاتا ہے مرزا نے اس مضمون کو تمثیل میں بیان کیا ہے۔ عاشقوں کی عادت ہے کہ نصیحت سننے سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔

دل مر سوز نہاں ہے و محابا جل گیا	آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا
----------------------------------	--------------------------------

سوز نہاں = سوز اندرونی جو آتش عشق کی وجہ سے تھا۔ بے محابا بے ہراس و بلا اندیشہ خاموش و گویا صنعت تضاد ہے مگر یہاں گویا ادات تشبیہ میں سے ہے۔

دوین فوق وصل و یادیا تریا بی ہنر	آگ اس گھر میں لگی سی بجھ جاگی
----------------------------------	-------------------------------

لینے عشق و عاشقی کی آگ ایسی لگی کہ خانہ دلین جو کچھ اٹا تہ تھا وہ سب
 جل گیا تا بجیکہ ذوق وصل اور یاد یار جو نہایت مرغوب و چہرین بہین
 وہ بھی جل کر راکھ ہو گئیں۔ یہاں آگ سے آتش عشق مراد ہے۔ عشق و
 عاشقی کے تباہ کن اثر ایسے ہی بُرے ہو کرتے ہیں چنانچہ مجنون اور فرما د
 جو وہ لوگ عاشق تھے اُن کے قصے مشہور ہیں اُن دونوں عاشقوں کا
 انجام مرگ اور ہلاکت ہوا نظیری نیشاپوری رح فرماتے ہیں **۵**
 عشق است طلسمی است کہ در و بام ندارد آں کس کہ از یافت نشان نام
 ندارد۔ **۵** و کہ عشق کا مل نیت تادرنہ مال و مسکنی نہ آں زمان آتش علم
 گردد کہ سوزد خانہ را بہ مرزا غالب کا یہ شعر صاف اور نہایت عمدہ ہے۔

مین عدم ہو بھی سپر ہوں قربانِ اس	میری آہ آتشین سے بالِ غم قبال گیا
----------------------------------	-----------------------------------

مصنف صاحب نے اس شعر میں لفظ ہونا کو جو جل گیا کے بعد آنا چاہئے تھا
 مخدوف کر دیا ہے تاکہ شعر میں تعقید معنوی پیدا ہو جائے اور شعر اہلِ نظر
 اور جاوہ خیال بندی پر پوری طرح سے آجائے مطلب یہ ہے کہ مین
 غمقا سے بڑھ کر غائب اور غمقا سے بڑھ کر مشہور ہوں۔ یہ بات مشہور ہے
 کہ غمقا کا مقام کوہ قاف ہے مگر یہ بات بھی معلوم ہے کہ کج تک غمقا کو
 کسی نے نہیں دیکھا صرف اس پرندے کا نام سنتے ہیں اور فارسی کے
 شعر اعتقا کو شہرت کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اب شاعر عرب کہتا ہے کہ اگر
 مین ملک عدم میں ہوتا تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ میری آہ آتشین سے بالِ غمقا

جلجلیا تا یعنی غنقا کی جگہ صرف میری شہرت باقی رہ جاتی اور کوئی غنقا کا نام
 نہیں لیتا مگر چونکہ میں ملک عدم سے بھی پرے ہوں یعنی ملک عدم کو
 طے کر کے کچھ اُس سے آگے بڑھ گیا ہوں لہذا میری شہرت اور میرا نام
 غنقا کی شہرت اور غنقا کے نام سے بڑھ کر مشہور ہے دوسرے معنی
 میری آہ آتشیں ایسی تیز و تند ہے کہ اگر میں عدم سے پرے ہوتا
 تو میری آہ سے بال غنقا جلجلیا تا یا جل گیا ہوتا۔ تیسرے معنی
 اسے خافل میری آہ آتشیں ایسی تیز و تند ہے کہ اُس سے ہار کا بال خفا
 جل گیا اور اب جو بال غنقا اُس سے نہیں جلتا ہے تو اُسکی وجہ یہ ہے
 کہ اب میں عدم سے بھی پرے ہوں لہذا بال غنقا کو میری آہ آتشیں نہیں
 جلا سکتی مگر اطف علی اصفہانی آذر تخلص جو ایران کا مشہور تذکرہ نویس
 اور نامور شاعر ہے اپنے تذکرہ آتشکدہ میں شیخ ناصر علی ہرندی کے
 حال میں لکھتا ہے کہ از کثرت استعارات از مثنوی او مطلبی
 مشخص نمیشود۔ میری رائے میں کل خیال ہندشاعروں کا کلام ایسا ہی
 اور مزار کا ہیہ شعر بھی ازان قبیل ہے۔ مزار نے کتاب عود ہندی میں
 جو خطوط مولوی عبدالرزاق قنار کے نام لکھے ہیں ان میں سے ایک
 مکتوب میں لکھتے ہیں کہ قبلہ ابتدائی فکر سخن میں ہمدل و اسیر و شوکت
 کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا **طرز ہمدل**
 میں ریختہ لکھنا ۴ اسد اللہ خان قیامت ہے ۴ ۵ برس کی عمر سے ۲۵
 برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا

آخر جب تمیز آئی تو اُس دیوان کو دور کیا اور اوراق یک قلم چاک کئے دس ہندہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دئے تمت کلامہ - غالباً یہ شعر بھی انہیں اشعار میں سے ہوگا - شاعر نے اس شعر میں اپنے زیادہ تر غائب اور زیادہ تر مشہور ہونے میں مبالغہ اور اغراق کیا ہے جیسا کہ ایک دوسری جگہ مبالغہ اور اغراق کی راہ سے کہا ہے ○ منظر اک بلند ہی پر اور ہم بنا سکتے پڑ عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکان بنیا یہ شعر جو زیر شرح ہے اصل میں اسطرح ہونا چاہئے تھا جس طرح یہاں شہر میں بتایا جاتا ہے شہر میں عدم سے بھی پرے ہوں وگرنہ اسے غافل بار مامیری آہ آتشین سے بال غفلت جل گیا ہوتا یا جل جاتا۔

دل نہیں تجھ کو دکھاتا و نہ دیکھتا | چراغان کا رکن کیا کا فر جاہل گیا

کار فرما = یعنی صاحب و آمر - فارسی میں ضرب المثل ہے کارکن را کار فرما بر سر کار آورد - مرزا کا ذہن اس ضرب المثل سے اس شاعرانہ مضامین کی طرف منتقل ہوا ہے - فرماتے ہیں کہ میرا دل جو کار فرما تھا وہ تو جل گیا - اب رنگیا میں تھا جو کارکن ہوں - جب کار فرما نہیں رہا تو کارکن کیا کر سکتا ہے - میں کیا کروں مجبور ہوں معذور ہوں - داغوں کی بہار جو دل کی کار فرمائی سے ہتی میں نہیں دکھا سکتا - اگر دل ہوتا تو تجھ کو یہ بہار دکھاتا - چراغان = یہاں چیراغ کی جمع نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی تعذیب کا نام ہے اور وہ تعذیب

اسطرح ہوتی ہے کہ مجرم کے سر میں کئی زخم کر دیتے ہیں اور ہر ایک زخم میں ایک فقیر رکھ کر روشن کر دیتے ہیں جس سے سر جلتا ہے اور مجرم کو نہایت ایذا پہنچتی ہے۔ درحقیقت یہہ تعذیب نہایت درجہ کی حشیانہ ہے۔ یہہ شعر اسطرح ہوتا تو زیادہ تر صاف اور اچھا ہوتا۔ **س** دل اگر ہوتا دکھاتا تھمکو داغون کی بہا رہا۔ ان چراغون کا کروں کیا کار فرما جل گیا۔ مگر مرزا کی طبیعت نے جو وقت پسند ہے چراغون کی جگہ فقط چراغان جو ایک غیر مشہور لفظ ہے اختیار کیا ہے تاکہ کلام کے اندر وقت پیدا ہو جائے اور اسکو ہر شخص نہ سمجھے۔ میں جس عنوان سے اس شعر کو کس قدر بدل دیا ہے اس میں سلاست اور سہل پسندی کا انداز ہے۔ مرزا صاحب کا یہہ شعر غلط نہیں ہے جو تغیر و تبدل کا محتاج ہو۔ اس تغیر و تبدل سے میری غرض یہہ تھی کہ موقع پر وقت پسندی اور سلاست پسندی کا فرق پہلک پر ظاہر کروں اور جہاں جہاں موقع ملیگا یہہ فرق انشاء اللہ ظاہر کرونگا۔ اس سلسلے کے دیکھنے والے ضرور یہہ بات کہیں گے کہ اس شعر کو کا بیکو بدلا اور کیا سبب اس میں تغیر و تبدل کیا لہذا میں نے اپنا عندیہ ظاہر کرنا مناسب سمجھا ورنہ یہہ مخفف ہے وگرنہ کا۔

میں ہوں اور فہرگی کی زلفا کی دل | دیکھ کر تیرا دل ہوا نیا جل گیا

یعنی اب غالب میں اس شعر کا مصداق ہوں **ب** کفر است در طریقہ ما

کینہ داشتن بہ آئینِ ماست سینہ چو آئینہ داشتن۔ میرے دل میں کینہ اور
عداوت نہیں ہے اور اگر کبھی کچھ عداوت ہوتی ہے تو میں ظاہر
کرویتا ہوں اپنے دل میں چپا کر نہیں رکھتا۔ میں صاف باطن اور باکدل
ہوں جیسے کہ دنیا داروں کا طریقہ ہے مزا نے ایک دوسری جگہ کہا ہے
سجی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم بہ سر جاسے یا ہے
نہ رہیں پر کہے بغیر۔ مگر میں نے جب دنیا داروں کو دیکھا تو ان کو ان
آیتوں کے مطابق پایا **وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا
خَلَوْا إِلَىٰ شِيَاظِهِمْ قَالَوا أَلَمْ نَعْلَمْكُمُ** ظاہر میں تو نہ کہہ سکتے ہیں
اور خندہ روئی و کشادہ پیشانی سے پیش آتے ہیں مگر باطن میں گوشت
کے بہو کے اور لہو کے پیاسے ہیں اور دل میں سخت کینہ و عداوت
رکھتے ہیں اور مخفی طور سے نقصان پہونچانے میں مشغول و مصروف ہیں۔
جب میں نے دنیا داروں کی دوزنگی اور دور وئی دیکھی تو میرا دل ان کے
برے اخلاق سے افسردہ ہو گیا اور محکوم بن گیا بلکہ میرا دل جل گیا۔ بہت شعر
علم اخلاق کے متعلق ہے اور قائل نے اس میں اخلاق حمیدہ کو اختیار کر لیا
ترغیب و تخریص دی ہے اور ایسے ہی اشعار ان **مِنَ الشَّعْرِ كَمَا تَكُونُ**
مصدق ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنا ظاہر و باطن
کیاں رکھے۔ میں ہوں اور افسردگی کی آرزو یعنی میرے لئے
افسردگی کی آرزو لازم ہے۔ اور ملازمہ کا ہے۔ تپاک = محبت کے
جوش و خروش کو کہتے ہیں۔ طرز = یعنی طریقہ اور طور اور وضع۔

اِہل = یہ لفظ واحد اور جمع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کی یہ خاصیت ہے کہ دونوں طرح یعنی مفرد اور جمع آتا ہے مگر اکثر جمع کے معنوں میں آتا ہے جیسے اِہل حرفہ اور اِہل قلم اور اِہل ذمہ اور اِہل کتاب وغیرہ یہ لفظ حقیقت میں واحد ہے اور مالی اسکی جمع آتی ہے اور فارسی میں مالیان اسکی جمع الجمع ہے۔ واحد کی مثال بہارِ عجم میں لکھتا ہے۔ شہر بادشاہ ہے امر کر د کہ خیمہ بے عت ہتیا ساند علمہ فراکشخا نہ خیمہ دوزان بسیارے فراہم آورند بالان دوزے ہم دران مجمع حاضر شد پرسیدندش کہیتی گفت من اِہلِ خیمہ ام۔ واحد کی دوسری مثال اِہلِ زبان ہے یعنی صاحبِ زبان ہوشیار لفظ ہے غالب منادی یعنی اسے غالب کہہ = کاف تعلیل ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں۔ دل فاعل اور جل گیا فعل لازمی ہے۔

شوق ہر رنگ رقیب سر سامان کجا	قیس تصویر کے پروین بھی مایان کجا
------------------------------	----------------------------------

مرزا صاحب نے عود ہندی میں جو رقعات مولوی عبدالزاق شاکر کے نام لکھے ہیں انہیں سے ایک قصہ میں اس شعر کے معنی اس طرح تحریر فرماتے ہیں شوق ہر رنگ رقیب یعنی مخالف یعنی شوق سر سامان کا دشمن ہی۔ دلیل یہ کہ قیس جو زندگی میں نگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردہ میں بھی نگاہی رہا لطف یہ ہے کہ جنون کی تصویر باتن عریان ہی کہنچتی ہے جہاں کہنچتی ہے انتہی کلامہ۔ اس شعر کے معنی بیان کرنے کی یہ جہوی

کہ مرزا کے معاصرون نے اس شعر کو اور میرزا کے اور بعض اشعار کو مہل و
بے معنی قرار دیا تھا چنانچہ مرزا نے رقعہ کی ابتدا ان الفاظ کے ساتھ
کی ہے کہ قبلہ پہلے معنی ابیات بے معنی سنئے فقط - لفظ رقیب کے
کئی معنی ہیں مگر اس شعر میں رقیب بمعنی دشمن و مخالف ہی آیا ہے مرزا صاحب
کا یہ بیان کہ مجنون کی تصویر باتن عریان ہی کہنچتی ہے محل تامل ہے
کیونکہ باتن عریان نہ کہنچے گی تو اور کیا ہوگی - ہر شخص کی جیسی حالت اور
صورت اور شکل ہوگی ویسی ہی تصویر ہوگی - یہ تو ہونہیں سکتا کہ تصور
بد صورت کو خوبصورت یا خوبصورت کو بد صورت یا عریان کو بالباس
اور بالباس کو عریان بنا دے خصوصاً فوٹو گرافی میں یہ بات
ناممکن ہے - اگر کسی مصور نے قلبی تصویر میں ایسا کیا بھی تو وہ تصویر اصلی
اور حقیقی تہو ہی بلکہ جعلی اور غیر حقیقی ٹھہری پس مجنون جو لیلی کے عشق
میں لباس سے بھی قطع تعلق کیا تھا اور اُس کے جوش و خروش
عشق میں نگاہی پڑا ہوا تھا اُسکی سچی تصویر برہنہ اور ننگی نہوگی تو بالباس
کیونکر ہوگی اگر کسی مصور نے اُسکی تصویر بالباس بنائی بھی تو واقعہ اور
اصلیت کے خلاف بنائی یا اُسکو اُس زمانے کی تصویر سمجھنا چاہئے
جکہ مجنون بالباس رہتا تھا - لہذا مرزا صاحب کا یہ بیان کہ مصرع
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریان نکلا محل تامل ہے اور اعتراض
کرنیوالوں کا اعتراض قرین قیاس معلوم ہوتا ہے - اس شعر پر ایک
دوسرا اعتراض جو میری جانب سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پردہ میں

عریان نکلا ایک بے معنی اسی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ جو چیز پر سے مین
 ہوگی وہ عریان کیونکر ہوگی۔ ایسے تراکیب کے اجتناب کرنا چاہئے
 اگر اجتناب واحتراز نہ کیا جائے تو کلام ضرور مغل اور بے معنی ہو جاتا ہے
 اور مقصود قابل مہربان بے انتہا تعقید پیدا ہو جاتی ہے۔ تاویل میں تو
 بہت کچھ گنجائش ہے مگر عوام کے پاس۔ اہل علم کے نزدیک تاویلات
 بارہ گونہ شتر سے بدتر ہیں۔ شہوق = شوق کے اصل معنی خواہش اور
 مین مگر فارسی میں اخیر زمانہ کے شعرا کے کلام میں شوق بمعنی شوق لڑنے آیا ہے۔
 ہر رنگ = یعنی ہر طرح ہر طور سے رقیب۔ اس شعر میں معنی دشمن و عدا
 آیا ہے رقیب کے معنی ہے ایک معشوق کے دو عاشق یا کئی عاشق اس نام سے
 آپس میں باغز دہوتے ہیں یہاں مقصود نہیں مین۔ عریان = شگا۔ برہنہ
 پہلے مصرع کے یہہ معنی ہیں کہ عشق و عاشقی ہر طرح سے مال
 مال و اسباب کی دشمن ہے۔ یہہ دعویٰ ہوا۔ اسکی دلیل یہہ ہے جو
 دوسرے مصرع میں مذکور ہوتی ہے کہ مجنون تصویر کے حجاب میں
 بھی عریان نکلا یعنی مجنون کو تصویر میں بھی لباس نصیب نہوا۔ بس مقصود
 قابل اس قدر ہے مگر دوسرے مصرع کے الفاظ مساعد نہیں ہیں اور
 دلیل کا عدم ہو گئی جیسا کہ مذکور ہوا۔ یہہ مطلع اس طرح ہوتا تو قریب الفصحی
 اور سلیس ہوتا۔ عشق ہر طرح عدوی سرو سامان نکلا + قید تصویر
 کی حالت میں ہی عریان نکلا + یا عشق ہر رنگ عدوی سرو سامان
 نکلا + قیس تصویر کے عالم میں ہی عریان نکلا + مگر تاہم مضمون و معنی کے

لحاظ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اعتراض کی گنجائش باقی ہے۔ ہشتاد و ہزار کا مقصد اس تصویر سے جعلی تصویر ہے مگر اس حالت میں مضمون نسبی نے لطفی اور بناوٹ ظاہر ہے۔ رقیب سرو سامان میں اشباع اضافت ہے اور اشباع اضافت فارسیوں کے پاس جائز ہے۔ پہلے مصرع میں نکلا کی جگہ باثریا آمد لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی سے مصرع شوق ہر رنگ قیاب سرو سامان باشد۔ سرو سامان یعنی مالِ ابا۔

جز نم داند ہی تنگی دل کی یارو | تیر بھی سنبھل سے پر افشان نکلا

واوینیا = انصاف کرنا۔ عدل کرنا۔ ادا سے حق کرنا۔ یہہ فارسی محاورے یعنی داد و دادن کا ترجمہ ہے۔ بسمل = یہہ لفظ فارسی الاصل نہیں ہے بلکہ مستحضر ہے کیونکہ بسم اللہ سے بنایا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں ذبح کرنا۔ چنانچہ خواجہ آصفی رحم فرماتے ہیں قاتل من چشم می بند دوم بسمل مرا۔ تا بماند حسرت دیدار اور دل مرا دوم بسمل = یعنی ذبح کرنے کے وقت۔ اور میرزا جانی غیرتی رحم کہتے ہیں ذوق تیغ تو مراداشت چنین رقص کنان۔ این طلیدن نہ مرا از جہت بسمل بود۔ از جہت بسمل = یعنی ذبح کرنے کے سبب سے۔ بسمل کے معنی ذبیحہ اور مذبح بھی آئے ہیں اور مرزا نوشاہ کے اس شعر میں بسمل بمعنی مذبح یعنی ذبح کردہ شدہ جبکہ ذبیحہ بھی کہتے ہیں آیا ہے پر افشان = بال افشان کا مترادف ہے۔

یعنے اڑتا ہوا۔ پرواز کرتا ہوا۔ یہ اسم حالیہ ہے۔ چونکہ جب کوئی
 پرندہ ہوا میں اڑتا ہے تو اکثر اس کے پروں کو ایسی حرکت اور
 جنبش ہوتی ہے جو کسی چیز کے جھٹکنے یا چڑکنے سے مشابہت پیدا
 کرتی ہے لہذا فارسی میں پرندوں کے اڑنے کو بال افشاندن اور
 پرافشاندن بھی کہتے ہیں۔ افشاندن کے معنی میں جھاڑنا۔ چڑکنا
 پھوڑنا۔ حرکت دینا کسی چیز کو بطریق معمول جیسے پرافشاندن یعنی
 پروں کو حرکت دینا۔ گرد افشاندن = گرد جھٹکنا۔ تنگ اور چھوٹے
 مقاموں میں سے جو چیز نکلتی ہے شدت و سرعت کے ساتھ
 نکلتی ہے جیسے دیبا کا پانی دو پہاڑوں کے درمیان گھٹ کر بہتا ہے
 تو بڑے زور و شور سے بہتا ہے جس جگہ پھیل کر بہتا ہے وہاں وہ
 زور نہیں رہتا اور دیبا دیبا بہتا ہے لہذا شاعر کہتا ہے کہ میرا دل
 اس قدر تنگ اور چھوٹا ہے کہ جو تیرا سینہ سے نکلا بسبب تنگی کے
 اڑتا ہوا اور حدت و سرعت کے ساتھ نکلا۔ اس لئے شاعر رحم دل
 سے تنگی دل کی داد طلب کرتا ہے۔ اس شعر کے مضمون میں بسبب
 لفظ دل و سینہ کے مبادعت ہو گئی ہے کیونکہ قائل کا مقصد تو یہ ہے
 کہ تیرا ہی دل بسل سے پرافشان نکلا مگر چونکہ مصرع موزون نہ ہوتا تھا
 لہذا ضرورت وزن کے لحاظ سے دلی جگہ سینہ کہہ دیا جس سے
 معنی شعر میں بعد اور دوری پیدا ہو گئی اور مرزا کا یہ مطلب بھی کہ شعر
 بعید الغہم ہوا کرے حاصل ہو گیا۔

دل حشر زدہ تھا مائدہ لذت کا مایاروں کا بقدر لب و دندان نکلا

حشر زدہ = حشر کا مارا ہوا۔ یعنی پھر حشر اور حشر والا۔ حشر کے حقیقی معنی دینے اور افسوس اور پشیمانی اور شرمندگی کے ہیں اور مجازی معنی آرزو و تمنا و ارمان کے ہیں۔ مائدہ لذت درد = لذت درد کا دسترخوان یعنی وہ دسترخوان جس پر درد و غم کی لذتیں اور کافیا و مصائب کی غذائیں اور سبچ و الم کی نعمتیں چنی ہوئی ہیں۔ مائدہ یعنی دسترخوان۔ کام نکلتا = برآمدہ غامی ہونا۔ مطلب نکلتا۔ امید برآنی حاجت روا ہونی۔ یہہ کار برآدن کا ترجمہ ہے۔ بقدر لب و دندان = یہہ فارسی زبان کی اصطلاح ہے اُسکے معنی میں بقدر استعداد کے اور بقدر لیاقت کے۔ تو معلوم ہوا کہ فارسی کی اصطلاح میں استعداد اور لیاقت کو کنایتہ لب و دندان کہتے ہیں۔ چنانچہ فارسی والے کہتے ہیں کہ لب فلان چیز نیست و دندان فلان چیز نیست یعنی استعداد اور لیاقت اور شایستگی اور جوصلہ فلان چیز کا نہیں ہے اور فارسی میں دہن فلان چیز و دمان فلان چیز بھی کہتے ہیں جیسے زید دہن این کار ندارد یعنی زید کو اس کام کی لیاقت نہیں ہے ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارا لب چشیدن صہبائے وصل نیست * این بارہ لا مگر لب گل تو ان چشید * یعنی شراب وصل کے چکھنے کی لیاقت ہم کو حاصل نہیں ہے۔ شاعر نے اپنے دل حشر زدہ کو لذت

در دکا مائدہ قرار دیا ہی اور کہتا ہی کہ بقدر ہمارے جو صلے کے اور بقدر ہمارے ہی لیاقت کے
 اس نے ستر خوان سے ہمارا کام نکالا یعنی ہم نے اپنے جو صلے کے موافق غم کھایا۔ یاروں کا
 یعنی ہمارا یا میرا کیونکہ اردو زبان کا محاورہ ہے کہ کہی بے تکلفی کی بات حیت میں
 اور سادہ پن سے یاروں کا لفظ ضمیر شکم کی جگہ میں کہتے ہیں۔ چنانچہ اس ذوق
 فرماتے ہیں ۵ نہوا پر نہوا میر کا انداز نصیب ۶ ذوق یاروں نے
 بہت زور و غزل میں مارا ۶ یاروں نے یعنی ہم نے یا میں نے۔ مزار غالب
 کے پہلے مصرع میں تھا کی جگہ بدر کھد کئے تو سالم مصرع فارسی ہے
 مصرع دل حسرت زدہ مائدہ لذت درد۔ بد بخف ہے بود کا۔

ہی نو آموز فاضل و شوار پسند سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی سنان نکلا

نو آموز = مبتدی۔ آموزندہ نو۔ جو ابھی سیکھنے کے لئے بیٹھا ہو یا کچھ
 دن سے سیکھنا شروع کیا ہو اسکو فارسی میں نو آموز کہتے ہیں۔
 یہ اسم فاعل ترکیبی ہے ہمت = یعنی غم و ارادہ۔ یہاں ہمت موصوف
 اور دشوار پسند اسکی صفت ہے۔ موصوف اپنی صفت سے ملکر یعنی
 ہمت و دشوار پسند مبتدا ہے۔ اور نو آموز فاضل اسکی خبر اور سے حرف
 رابطہ ہے۔ دشوار پسند = یعنی پسند کنندہ دشوار اور مشکل
 کاموں کو پسند کرنے والی۔ یہ اسم فاعل ترکیبی ہے سخت
 یعنی بہت۔ بڑی اور بڑا مشکل اور آسان صنعت تضا ہے۔ حال
 یہ کہ مرحلہ فاضل کو طے کرنا ہر ایک شخص سے ہو نہیں سکتا۔ مگر ہم نے اسکو

آسانی طے کر دیا۔

دل میں پھر گریہ کی شور مچا یا غاب

آہ جو قطرہ نکلا تھا طوفان نکلا

گریہ - یعنی رونا۔ اس لفظ کے کاف کو کسر ہے یہ لفظ گریہ تن کا اصل
 بالمصدر ہے۔ فارسی میں گریہ تاک اور گریہ رگ تاک اور گریہ چس رانغ
 اور گریہ خامہ اور گریہ دو اب اور گریہ روحانی اور گریہ شادی اور گریہ
 شمع اور گریہ شیشہ اور گریہ گاہ اور گریہ مندا اور گریہ تاک اور گریہ اور گریہ
 ماسے ماسے اس لفظ کے مرکبات ہیں۔ چونکہ اردو زبان درحقیقت فارسی
 زبان کی ایک شاخ اور شعبہ ہے لہذا اردو نے ان مرکبات کو اپنے اشار
 میں مناسب مواقع پر استعمال کر سکتے ہیں اور اسی غرض سے میں نے
 ان مرکبات کو یہاں درج کیا ہے اور آئندہ بر محل و بر موقع ایسے مطالب
 اس رسالے میں درج کئے جائینگے کیونکہ زبان کی ترقی اور کلام کی جد
 و تازگی ایسی ہی باتوں سے ہوتی ہے شور اٹھانا۔ یعنی شور قائم
 کرنا اور شور برپا کرنا۔ شور کے معنی یہاں آشوب و غوغا و فساد کے ہیں
 لفظ شور طوفان کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی طوفان کے لئے
 شور کا ہونا لازم و ملزوم ہے اور یہ تناسب طوفان کی ذات کے
 متعلق ہے لہذا اس شعر میں لفظ شور سے صنعت مراعات النظم
 پیدا ہو گئی۔ غالب = منادی یعنی اے غالب۔ اسی حرف ندا
 مخذوف ہے۔ آہ = منجملہ اصوات کے ہے اور حسرت و افسوس غم کے

موقع پر یہ کلمہ بولتے ہیں اور اُسکا مخفف اہ بغیر مد کے بھیج اور متصل ہے
چنانچہ حکیم سنائی رحمہ اللہ کہتے ہیں **س** گزرا تیغ تن زندہ کن ۛ ورترا زخم
حق زندہ کن۔ **طوفان** = بالضم باران سخت اور آب سخت جوزمین
میں سے نکلے اور سب چیزوں کو غرق کر دے اور یہ اس لفظ کے حقیقی
معنی ہیں۔ اور ڈبوئے والی سیل کو بھی طوفان کہتے ہیں اور ہر ایک
چیز جو کثرت سے ہو اور ہرشی جو اس قدر غالب ہو جائے کہ سب چیزوں کو
گھیر لے اور کل اشیاء پر غالب آجائے اُسکو بھی طوفان کہتے ہیں جیسے
طوفانِ ہوا اور طوفانِ آتش اور طوفانِ بے تمیزی وغیرہ اور یہ مجازی معنی ہیں۔ اس کے
مرکبات طوفانِ خبر و شس اور طوفانِ خیز۔ اور طوفانِ بچ اور طوفانِ رسیدہ
اور طوفانِ زرا اور طوفانِ زدہ اور طوفانِ طراز اور طوفانِ کدہ اور طوفانِ
نژادین۔ یعنی اسے غالب سیرے دل میں بار دیگر گریہ نے ایک شور
اٹھایا ہے لہذا افسوس ہے کہ جو قطرہ آنسو کا میری آنکھوں سے پیشتر نہ نکلا تھا
اب طوفان ہو کر نکلا ہے یعنی جو قطرات دل میں رہ گئے تھے اب طوفان کی شکل
میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر شور اول میں ہی یہ قطرات
نکل گئے ہوتے۔ اس شعر میں بار دیگر شور کے نہ اُٹھنے کی تمنا پائی
جاتی ہے۔ اور یہ تمنا یہاں لفظ آہ کے استعمال سے ظاہر ہوتی ہے
یہ شعر صاف ہے اور معنی اُسکے ہویدا ہیں اس شعر کی شرح میں میں نے
صرف نظم کو تشریح کیا ہے کوئی دوسرا بھاری کام نہیں کیا ہے
کیونکہ شعر کا مضمون آشکار ہے۔ میری رائے ناقص میں اس شعر کے

مضمون میں ضبط کی قید لگانی زیادہ ضرورت ہے یعنی بوجہ ضبط نہ نکلاتا
 کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ قطرہ اشک بوجہ ضعف
 و ناتوانی یا بوجہ عدم موجودگی یا بوجہ عدم ضرورت یا شور و اول کے رفع
 ہو جانے کی وجہ سے نہ نکلا ہو۔ بہر حال قیود مذکورہ کی پابندی کوئی ضروری
 چیز نہیں ہے کیونکہ شعر کا مضمون صرف اس قدر ہے کہ پہلے ہم روتے
 روتے تہم گئے تھے اب پھر رونا شروع کر دیا۔

دہمکی میں مر گیا جو باب نہر تھیا | عشق نہر پیشہ طلبگار مرد تھیا

دہمکی = ڈرانے والی بات اور تہدید و تخویف کو کہتے ہیں۔ یہہ لفظ نوشہ
 جو = یعنی جو شخص اور جو آدمی۔ نہر = بر وزن نکر درم و کار زار اور
 لڑائی و جنگ کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہہ لفظ نور تھیا اور اسکا مصدر نورید
 ہے فارسی میں بے اور واپس میں تبدیل پاتے ہیں اسی لئے نور کو نہر
 کہتے ہیں نہر پیشہ = وہ آدمی جسکا پیشہ جنگ اور لڑائی ہو۔ دہمکی میں یہہ کی
 یہہ وجہ ہے کہ جو شخص عشق کے سامنے آیا ہے وہ عشق کے لائق اور قابل
 نہیں ہے بلکہ بزدل اور زن صفت ہے لہذا عشق اُسکو اپنے ناقابل جا کر
 دہمکی دیتا ہے اور چونکہ وہ آنے والا درحقیقت نا لائق عشق ہے لہذا صرف
 عشق کی دہمکی ہی میں اُسکا کام تمام ہو جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ یہاں
 یہہ بات ثابت ہوئی کہ عشق و عاشقی مرد کا کام ہے اور رجال پہلوان صفت
 ہی اس فن کے لائق ہیں۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں تھیا کی جگہ

بود لکھد بجے تو سالم مصریح فارسی بنجاتا ہے مصرع عشق زبردیشہ طلبگار مرد بود
عشق موصوف اور زبردیشہ اُسکی صفت ہے ۔

تھا زندگی میں گ کا کہٹکا لگا ہوا | اُسے دیشہ بھی مرگ رنگ تھا

یعنی چونکہ مجھ کو حیات میں موت کا اندیشہ لگا ہوا تھا لہذا مجھ کو زندگی کا لطف
حاصل نہوا اور میری زندگی خوف و ہراس میں کٹی جو آنے والی موت کی
وجہ سے مجھ پر غالب ہو گیا تھا اور اسی ہراس و ترس کے سبب سے میرا رنگ
رخ یا رنگ جمانی زرد رہتا تھا یعنی حیات میں جب موت مجھ کو یاد آتی تھی
تو موت کے خوف سے میرا خون خشک ہو جاتا تھا اور میرا رنگ زرد پڑ جاتا
تھا ۔ قائل نے اس شعر میں اپنے کو انتہا درجہ کا خوف زدہ مرگ قرار دیا ہے ۔
زندگی یعنی حیات کہٹکا = یعنی اندیشہ اور یہ مجازی معنی میں حقیقت
میں کہٹکا بانس کے یا لکڑی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں ۔

تالیف نسخہ مے فاکر ماتہا میں | مجموعہ خیال بھی فرد فرد تھا

قائل نے اپنے کو عہد طفلی سے وفادار قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی میرا مجموعہ
خیال فرد فرد تھا یعنی میرا مجموعہ خیال کم عمری کے زمانہ میں مجتمع نہوا تھا
بسبب کم عمری اور خورد سالی کے مگر باوجود اس کے میں کتب و فاداری
کی تالیف کر رہا تھا یعنی وفادار تھا ۔ نسخہ مے یعنی کتابیں فرد فرد تھا
یعنی پریشان تھا ۔ مکرر ۔ قائل نے اُس زمانہ سے کہ مجموعہ خیال یعنی

مجموعہ شعور و تہذیب متجمع نہوا تھا اپنے کو فخر ہائے وفا کا مولف قرار دیا ہے۔ یعنی
میں کم سنی سے عاشق و فادار ہوں اور بچپن سے وفا شعار ہوں۔

دل تا جگر کا ساحل یا خمی ہے اب | اس رہگذر میں جلوہ گل اگر گرتا تھا

کہتا ہے کہ ہم شیر ایسے نازک ماغ اور نازک مزاج تھے کہ بسبب نازک مزاجی کے
جلوہ گل بھی جو ایک نفیس شی ہے ہمارے دل و جگر پر گرد و خاک کی طرح ناکوار
اور ناپسند تھا مگر اب زمانہ ناپسند اور چرخ کچر قمار کیو جب سے یا عشق عاقی
کے سبب ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے دل سے لیکر جگر تک ایک دریای
خون کا ساحل ہے یعنی دل اور جگر دریای خون کے دو کنارے ہیں
اور ان دو ساحلوں کے بیچ میں دریای خون ہے حاصل یہ کہ عشق و عاشقی
یا زمانہ ناموافق کیو جب سے ہم خون پیتے ہیں اور غم و غصہ کہاتے ہیں اور
اب ہماری نازک مزاجی باقی نہیں رہی کیونکہ غم و غصہ میں مبتلا ہیں اور
عشق و عاشقی کے مصائب بے ہنگو گہیر لیا ہے۔ جلوہ گل مبتدا اور گرد
اسکی خبر ہے۔ دل تا جگر یعنی از دل تا جگر۔ ایسے موافق پیراز کا حذف
کر دینا فارسی میں جائز ہے۔ اس رہگذر میں یعنی از دل تا جگر۔ اس
شعر میں گل کے لفظ سے نازک مزاجی کا مضمون پیدا ہوتا ہے۔ دل
اور جگر اور خون اور گل صنعت مراعات النظیر ہے اور تناسب یعنی وجہ
مناسبت دل و جگر میں ذات ہے کہ یہ دونوں اعضا ہیں اور خون و گل
میں صفت یعنی رنگ ہے کہ یہ دونوں سرخ رنگ اور لال ہوتے ہیں

جانی ہو کوئی کشمکش اندوہ عشق کی دل بھی اگر گیا تو وہی لکا دیتھا

کوئی = تنکیر کو اسلئے آتا ہے۔ فارسی میں ان مضمون کے لئے کہی
لفظ بیچ اور اکثر یا بے تحاشی متعل ہوتی ہے۔ اس موقع پر بیچ کا
لفظ بولا جائیگا اس طرح شرح کشمکش اندوہ عشق نمی رود۔
کشمکش یعنی کینچا تانی اور فرمائش متواتر۔ اندوہ = ہر وزن پر
کوہ غم و الم اور گرفتگی دل کو کہتے ہیں اسکا مخفف اندوہ بغیر واو کے آیا ہو
جیسا کہ مرزا ہدایت مرحوم کہتے ہیں مصرع اندوہ بخن کشید نظم۔ وہی یعنی یہاں
پہلے مصرع کے یہہ معنی ہیں کہ اندوہ عشق کی کوئی کشمکش نہیں جاتی ہے
اور اس مصرع میں استفہام انکاری ہے۔ شعر صاف ہے۔

اجاب چارہ سازی و حشت کر کے زندان میں بھی خیال بان نور دتھا

چارہ سازی = یعنی تدبیر و علاج۔ حشت یعنی گہر ہٹ زندان =
قید خانہ و محبس۔ خیال = بالکسر و ہم و گمان۔ میان بان نور د = اسم
فاعل ترکیبی ہے اس کے معنی میں جنگل کو طے کرنے والا۔ نور دامر کا
صیغہ ہے نور دیدن سے۔ کہتا ہے کہ جوش جنون میں نے چاہا تھا
کہ جنگل کی طرف نکل جاؤں مگر میرے اجاب نے میری خیمن خواہی کے
لحاظ سے مجھ کو قید خانہ میں مقید کیا تاکہ میں جنگل کی جانب جانسکو نہ
اور ملاکت سے میری نجات ہو اور میں صحیح المزاج ہو جاؤں مگر کیا فائدہ

اُن کی یہ تیسرے مفید اور نتیجہ ہونے کی کیونکہ میں جب زندان میں داخل ہوا تو عین زندان میں جنگل اور صحرا کی طرف میرا خیال دوڑ گیا اور بیابان میں میرا خیال میرے عوض میں پھرنے لگا اگرچہ میں نے خود بیابان میں گشت نہیں لگائی مگر میرا خیال برابر بیابان میں گشت لگاتا رہا ظاہر ہے کہ خیال کی رسائی ایک دم میں عرش تک ممکن ہے پھر خیال کو بیابان میں پہنچنے کے لئے کیا دیر تھی اگر کوئی شخص اپنے عالم خیال میں بغیر حیات و ہم میں یہ سمجھ لے کہ میں عرش پر بیٹھا ہوا ہوں تو یہ بات خیال کی راہ سے کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ خیال وہم کو کہتے ہیں اور قوت و ہمہ وجود اشیا اور حقائق احوال کی محتاج نہیں ہے۔ کوئی شے موجود ہو یا نہ ہو خیال اور وہم میں کوئی شخص اسکا تصور کرے تو اسکو خیال میں اس طرح محسوس ہوتی ہے اگرچہ درحقیقت اسکا وجود نہیں ہے اور اسکو غیر موجودہ اور معدوم اشیا کو خیالی باتیں اور خیالی پلاؤ کہاتے ہیں۔ اس شعر کے دوسرے ستنے یہ ہیں کہ خیال نے زندان کو عین بیابان تصور کر لیا اور زندان میں گشت لگاتا رہا کیونکہ اسکو جنگل سمجھ لیا ہے اور ہمیں وہی وحشت حاصل رہی جو صحرائیں ہوتی ہے لہذا اجاب سے چارہ سازمی وحشت نہوسکی۔

یہ لاش بکفنِ اختہ جانکی ہے | حقِ مغفرت کے عجب آرزو در تھا

یہ = اسم اشارہ قریب۔ لاش = لاشہ و مردہ جسم۔ نئے کفن =

جبکہ کفن نہ ہو بے نفی کی واسطے آتا ہے خستہ جان = وہ شخص
 جسکی جان خستہ اور زخمی ہو۔ اسکے مجازی معنی تھکا ہوا اور ماندہ کے
 ہیں۔ خستہ کے معنی مجروح و افکار و زخمی کے ہیں اور یہ لفظ بالفتح
 ہے اور خستہ جگر و خستہ دل و خستہ حال و خستہ روان اسکے مرکبات
 ہیں اور خستہ جان اسم صفت مرکب ہے۔ مغفرت = بخشنا۔ معافی
 بخشش۔ فارسی میں مغفرت کو بخشیدن کہتے ہیں۔ عجب = حیرت تعجب
 اور شگفت کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ خواجہ حافظ شیرازی رحم
 فرماتے ہیں ۵ زانقلاب زمانہ عجب مدار کہ چرخ ۶ ازان فسانہ ہزاران
 ہزار دار و یاد ۷ عجب مدار یعنی حیرت نکر اور تعجب نکر۔ مگر یہ لفظ کبھی
 عجیب و غریب و نادر کے معنی بھی دیتا ہے اور بمعنی اسم فاعل آتا ہے
 چنانچہ اس شعر میں اسم فاعل کے معنی ہی دیتا ہے۔ عجب آزاد یعنی
 عجیب آزاد یعنی حق تعالیٰ غالب کو مغفرت کرے اور بخشد بے عیب
 اسکی آزادی اور سبکی کے کیونکہ اکثر آزاد لوگ غریب و رسکین
 ہوتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ کو مغفرت
 کرے۔ کونسی ایسی نیکی اور بہلائی کی ہے جس سے مغفرت پاتا ہے
 اسکا جواب یہ ہے کہ سبب آزادی کے مغفرت کرے کیونکہ آزادی
 جو تھی تو وہ فقر و فاقہ و غربی کی وجہ سے تھی اور غربی کے جب تک
 نصیب نہیں ہے اور جو سلمان غریب نیک فرائض ہوگا وہ مستوجب
 مغفرت کا ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ الفقراء محضی اور

بَدَا لَاسْلَامِ غَيْرُهَا وَسَيَعُوْا كَمَا بَدَا فَطُوْا بِيْ لِعَرَبِيَّا۔ اور آزاد لوگ
 اکثر حق گو اور حق پسند ہوا کرتے ہیں لہذا حق گوئی اور حق پسندی جو سبب
 آزادی کے قائل کو حاصل تھی وہ بھی مغفرت کا باعث ہو سکتی ہے اور
 درحقیقت آزادی اسلام کا نام ہے۔ قائل نے اپنے کو شخص مردہ قرار
 دیا ہے اور یہ کلام یعنی یہ لاش بے کفن الخ اور حق مغفرت کرے الخ
 فرضی غیر شخص کا کلام ہے۔

شمار سیمہ غریبہ مشکل پند آیا	تماشا بہی یک کف بردن و ایند آیا
------------------------------	---------------------------------

شمار = یعنی حساب اور گنتی۔ یہ شہ مردن سے امر کا صیغہ ہے اور یہاں بمعنی
 حاصل صد آیا ہے سچہ = یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یعنی بالضم ہے یعنی
 ضمہ کے ساتھ آیا ہے بعض لوگ اسکو فتح کے ساتھ بولتے ہیں مگر فتح
 کے ساتھ بولنا غلط ہے۔ تبیح کو کہتے ہیں۔ اور سچہ دار اور سچہ شمار
 اور سچہ گردان اور سچہ ور اس کے مرکبات ہیں بہت حقیقت میں
 اُس شکل کو کہتے ہیں جسے ہندو لوگ تہزو وغیرہ سے تراش کر بوجتے ہیں
 چنانچہ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مثنوی
 بتے دیدم از عاج در سونہات * مَرَصَعِ چو در جاہلیت منات * چنان
 صورتش تہمتال گر * کہ صورت نہ بندد از ان خوب تر * عربی میں
 ضم کہتے ہیں اور ضم کی جمع اضماء آتی ہے۔ اور بت اشرفی
 اور بت زر اور بت تراش اور بت خانہ اور بت شتان اور بت شکن

اور بت کدہ اور بت گرفتار لفظ بت کے مرکبات ہیں۔ مگر اسکے مجازی معنی
یہ نہیں ہیں بلکہ مجازاً عاشق اپنے معشوق کو بت کہتا ہے کیونکہ عاشق
اپنے معشوق کو انتہا درجہ میں عزیز جانتا ہے اور دوست رکھتا ہے جطرح
سنو بت حقیقی کو دوست رکھتے ہیں لہذا اسکے مجازی معنی معشوق اور
محبوب کے ہیں مرغوب = یعنی پسندیدہ اور غربت کیا ہوا۔ مشکل پسند
یعنی دشوار پسند اور مشکل کو پسند کر نیا لا۔ یہ اسم فعل ترکیبی ہے۔
مشکل اسم اور پسند امر کا صیغہ ہے پسندیدن سے تماشاً = اصل میں یہ
لفظ تماشائی ہے اسکے معنی میں باہم پیادہ چلنا اور فارسی میں دیکھنے اور
نگاہ کے معنی میں۔ یہاں دیکھنے کے معنی ملاہ میں اور تماشخانہ
و تماشاکدہ و تماشاکاہ و تماشاکرد و تماشائی اس کے مرکبات ہیں۔ دل
برون = یعنی دل لیجانا۔ معشوقی کرنی۔ دلبری یعنی معشوقی۔ شاعر
کہتا ہے کہ عابدون کا پہرہ کام کہ تنو دانوں کی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں
معشوق کو مرغوب آیا کیونکہ دانہ تسبیح کو دل کے ساتھ شبیہ ہے لہذا
معشوق سمجھتا ہے کہ میں بھی اس طرح ایک دم میں تنو دل اڑاؤں گا جطرح
عابدون کے ہاتھ میں تنو دانوں کی ایک تسبیح ہے یہ اس طرح میرے
ہاتھ میں سو دل آجائیں گے اور اسی عنوان سے میں دلربائی اور دلبری
کروں گا۔ ۵ شمار سچ مرغوب بت شکل پسند آمدہ تماشائے بیک
برون صدول پسند آمدہ آیا کی جگہ آمد کہہ دینے سے سالم مطلع فارسی
ہو گیا۔ مرزا غالب بے انتہا مغلوب الفارسی ہیں۔

فیض بیدلی نو میدی جاوید آسان ہے

کشائش کو ہما عقدہ مشکل پسند آیا

یعنی عاشق لوگ ہمیشہ ناامید اور مایوس ہوتے ہیں کیونکہ ان کو وصال محسوس
کی امید نہیں ہوتی۔ اور نو میدی عاشقی کا فیض ہے جو عاشقوں کو ملا
اور عاشقی کے فیض سے نو میدی جو ایک کٹھن اور مشکل چیز ہے آسان
ہو گئی ہے۔ امیدوار بودہ بعافیت باشند کا سامنوں ہے۔ جب دل
باختہ یعنی دل عاشق شدہ کا یہ حال ہے تو گویا کشائش کا راجح حصول
ہو چکا یعنی وصال معشوق حاصل ہوگا۔ کشادکار نے عاشقوں کو لگو
پسند کر لیا ہے۔ کشاد کا ترشیغ و طنز کی راہ سے کہا ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ عاشقوں کے دل کی کشاد و شگفتگی نہیں ہوتی اور ہمیشہ کار عشاق بند
ہوتا ہے ہماری کشائش کچھ نہیں اور صرف نو میدی ہماری کشائش کا نام ہے
اور جب کو نو میدی کہتے ہیں وہی ہماری کشائش ہے بیدلی = عاشقی
نو میدی = مایوسی۔ جاوید = دوام۔ ہمیشہ کشائش کو پسند آیا
یعنی کشائش نے پسند کیا۔ عقدہ مشکل = دل باختہ یعنی دل عاشق
شدہ وہ دل جو عاشق ہو گیا ہے اس کو دل باختہ باضافت کہتے ہیں اور
بیان عقدہ مشکل سے دل باختہ مراد ہے اور یہ ہمتا رہ ہے۔ اس
شعر کے پہلے مصرع میں ہے کی جگہ است لکھ دینے سے پورا مصرع فارسی
ہو جاتا ہے مصرع بہ فیض بیدلی نو میدی جاوید آسان است۔

ہو ہے میر گل آئینہ بے مہر قاتل

کہ اندازِ بخون غلیظ دین پسند آیا

قاتل سے مراد معشوق ہے اور پہلے مصرع کے پہلے معنی میں کہ معشوق کے
 جو رجحان اور اس کے ظلم و ستم کی نماندہ یعنی دکھانے والی یہ بات ہے
 کہ اس کو سیر گل کی آرزو اور گلگشت کی خواہش ہوئی ہے۔ آئینہ کے حقیقی معنی
 مشہور ہیں جس کو عربی میں مرآۃ کہتے ہیں مگر یہاں مجازی معنی مرد ہیں
 اور مجازی معنی اس لفظ کے نماندہ اور دکھانے والے کے ہیں کیونکہ
 آئینہ ایک آلہ ہے جو صورتوں کو دکھاتا ہے۔ ہوا سے سیر گل مبتدا اور
 آئینہ بے مہر قاتل اس کی خبر ہے۔ ہوا کے مجازی معنی آرزو و خواہش
 و تمنا کے ہیں۔ ہوا اور گل اور آئینہ اور مہر اور خون اور بسمل و زخون و گل
 صنعت مراعاتہ النظر ہے۔ اور وجہ مناسبت ہوا و گل میں فعل ہے کیونکہ ہوا
 مہولوں کو کھولتی ہے۔ اور آئینہ و مہر یعنی آفتاب میں صفت وجہ مناسبت
 کیونکہ دونوں روشن اور صاف و شفاف ہوتے ہیں اور بعض آئینے آفتاب
 کی شکل پر تدویر اور گول ہوتے ہیں مگر آئینہ میں تناسب کی وجہ صرف صفائی
 و روشنی ہے نہ شکل۔ آئینہ بھی روشن ہوتا ہے اور آفتاب بھی روشن
 ہوتا ہے۔ خون اور گل میں وجہ مناسبت صفت یعنی رنگ ہے کہ دونوں
 سرخ ہوتے ہیں اور خون و بسمل بھی صنعت مراعاتہ النظر ہے اور وجہ تناسب
 فعل ہے کیونکہ بسمل سے خون نکلتا ہے اور خون کا نکلنا بسمل کے ساتھ
 مناسبت رکھتا ہے۔ مرنے و حقیقت صنعت مراعاتہ النظر کے متعلق
 یہ عجیب شعر کہا ہے جمیع کثرت سے مناسبات معنوی ہیں بسمل = یعنی
 ندب و لوح۔ چونکہ بسمل لہو میں لوٹتا ہے اور لہو کے رنگ سے سرخ ہو جاتا ہے

اور گل ہی سیر یا سیرخ رنگ ہوتا ہے لہذا گل کو بسل قرار دیا ہے اور کہتا ہے
 کہ گل گویا ایک بسل ہے جو ستر یا خون آلود ہے اور ہمارا معشوق اُسکی
 سیر کو جاتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ معشوق جفا پسندا و ظلم دوست ہی کیونکہ
 وہ نڈبوحات کی سیر کو جاتا ہے اور نڈبوحات کی سیر اُسکے پسند ہے۔
 بسل سے مراد یہاں گل ہے نہ بسل حقیقی کیونکہ مصرع اول میں سیر گل کہا ہے
 بخون غلتیدن بسل یعنی گل خون میں لوٹ رہا ہے بسل کی طرح یا یہ کہ
 گل میں بخون غلتیدن بسل کا انداز ہے۔ بخون غلتیدن بسل یعنی بسل کا خون
 میں لوٹنا یا یوں کہئے کہ بسل جو خون میں لوٹتا ہے۔ یہ طرز اور یہ ترکیب
 سیرزا عبد القادر بیدل کے ہیں جو اہل لسان کے پاس ناپسندیدہ اور غیر
 مطبوع ہیں۔ آیا کی جگہ آمد لکھ دیجئے تو سالم شعر فارسی ہو جاتا ہے
 ہواے سیر گل آئینہ بے مہری قاتل کہ انداز بخون غلتیدن بسل پسند آمد
 بے مہری = یعنی ظلم و ستم اور جور و جفا۔ مہر محبت اور الفت کو کہتے ہیں
 مہر بمعنی آفتاب بھی آیا ہے مگر یہاں یہہ بمعنی مقصود و مطلوب نہیں ہیں
 بے فارسی میں واسطہ نفی کے آتا ہے۔ بے مہری یعنی بے الفتی و بے محبتی
 انداز = یعنی طور و طریقہ۔ یہہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں
 بمعنی ناز و ادا بھی استعمال ہوتا ہے کہ = کاف تقلیل کا ہے جو بے مہری کی
 علت اور بے مہری کا سبب بیان کرتا ہے۔ کیونکہ سیر گل میں بخون غلتیدن
 بسل کا ماثلاً نظر آتا ہے۔

یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی ہوا

دیرین نقش و فوجہ تلی ہوا

ایسے معشوق اپنی بیوفائی سے شرمندہ نہیں ہوتے اور اسلئے معشوقان دنیا
و محبوبان ماہِ سہا کی وفاداری بے معنی بات ہے۔ مطلب یہ کہ معشوقوں کے
وفا کی امید نہ رکھنی چاہئے کیونکہ معشوق بیوفا ہوا کرتے ہیں **نقش و وفا**
یعنے **نقش و فامعشوقوں کا وجہ تسلی = باعث تسلی عاشقوں کا**۔
شرمندہ وہی شخص نہوگا جو بے حیا ہوگا لہذا لفظ کی شرمندگی یہ ہے کہ بے
معنی ہو۔ معشوق جو وفا کا وعدہ کرتے ہیں اس سے عاشقوں کی کچھ تسلی
تو ہو جاتی ہے مگر انجام کچھ نہیں لہذا **نقش و وفا** کو غیر تسلی اور تسلی نہیں کہہ سکتے
قرار دیا ہے وہر = بالفتح زمانہ و عمر **نقش و وفا** = یعنی لیاقت و وفا۔
صورت و وفا و استقرار حکم و وفا = تسلی = یعنی دلجوئی اور خوش عیشی۔
لفظ = جو بولی آدمی کے منہ سے نکلتی ہے اسکو لفظ کہتے ہیں خواہ وہ کھنڈ
ہو یا بامعنی مگر یہاں لفظ بے معنی مراد ہے کیونکہ شرمندہ معنی نہوا کہتا ہے۔ یہہ
اسکا مشارا لید و وفا ہے

سبز خط سے اکا کل سرکش نہ دیا یہ زمر و بھی حریف دم افغی نہوا

یہ زمر = یعنی سبز خط۔ زمر و سبز رنگ ہوتا ہے اور سبز خط ہی مالِ انہری
ہوتا ہے لہذا سبز خط کو زمر و قرار دیا ہے۔ خط مجازاً سبز و نورستہ
کو بھی کہتے ہیں جو رخسار کے اطراف ظاہر ہوتا ہے اور پشت لب سے
شروع ہوتا ہے اور اسکی تشبیہ سبزہ کے ساتھ دی جاتی ہے **حریف**
یعنے مقابل اور یہ مجازی معنی ہیں۔ حقیقت میں شخص ہم پیشہ کو حریف

کہتے ہیں۔ اور یہاں مجازی معنی مقصود ہیں وہم افعی = یعنی افعی کی
 سانس۔ یہاں افعی سے مراد کا کل ہے کیونکہ کا کل کو افعی کے ساتھ
 تشبیہ دیتے ہیں۔ کا کل بمعنی زلف ہی آیا ہے اور حقیقت میں جو
 بال پشت سر کی جانب میں ہوتے ہیں ان کو کا کل کہتے ہیں مگر اس شعر میں
 کا کل کے معنی زلف کے ہیں۔ افعی = سانپوں کی قسموں میں سے
 ایک قسم ہے جو نہایت زہریلاک ہوتی ہے۔ دُہنا = مغلوب ہونا۔ زیر ہونا
 اور یہ مجازی معنی ہیں۔ سبزہ خط کی دلکشی اور دلچسپی مشہور ہے کیونکہ
 جو سبزہ خط آغاز ہوتا ہے وہ بہت خوشنما ہوتا ہے چنانچہ میرزا صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **یا قوت آبدار تو آورد عاقبت خطے**
بروے کار کہ ریحان بگرد رفت اور اسیری کہتا ہے **چون سبزہ**
دسیدہ شد بہستان رخت بشگفت بنفشہ در گلستان رخت
 اور کسی کا اردو شعر ہے **کیون نہ دل شیفہ ہوتا مرا اس گل و پژ**
حسن کا جوش بھی تھا سبزہ کا آغاز بھی تھا۔ اب شاہ کہتا ہے
 کہ اسے معشوق تیرا کا کل سرکش سقد خوشنما ہے کہ اسکی خوشنما کی
 سبزہ خط کی خوشنما فی سے بہتر ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ سبزہ خط کے
 سامنے تیرا کا کل سرکش بتایا گیا اور خط کی دلکشی کا کل کو بے رونق
 کر دیگی مگر ایسا نہوا اور تیرا کا کل ہمیشہ کی طرح سرکش بنارہا اور سبزہ خط
 تیرے کا کل کا مقابل ہونے لگا۔ درحقیقت یہ شعر کا کل کی تعریف میں کہا ہے
 اور کا کل کو سبزہ خط سے زیادہ تر خوشنما قرار دیا ہے۔

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ سے بے ن
وہ شکر مرمر نے بھی رضی نہوا

اندوہ = یعنی غم و الم۔ وفا = یعنی وعدہ بجالانا اور دوستی انجام کو
یہونچانی اور کسی بات کے وعدہ کو پورا کرنا۔ کہتا ہے کہ میرے شوق ایسا
ظالم ہے کہ میرے مرنے پر بھی رضی نہوا کیونکہ مر جانے میں اندوہ
وفا سے رہائی ہو جاتی مگر اُس نے میری رہائی نہ چاہی۔ بہ سبب
ظلم و ستمگری کے یہ شاعرانہ مضمون ہے اور شعر صاف ہے۔

دل گذر گاہ خیال میں غریبی
اگر نفس جادہ منزل تقویٰ نہوا

نفس = دوزخ سے۔ اس لفظ کے معنی دلم و رسانی کے ہیں۔ یہہ
لفظ مذکر ہے جیسا کہ مرزا نے یہاں استعمال کیا ہے مگر میرے خیال
میں یہہ لفظ مونث باندھا جائے تو بہتر ہے۔ نفس کو جادہ اور راستہ کے
ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور وجہ تشبیہ نفس کی آمد و رفت اور درازی
ہے کیونکہ نفس دراز شے ہوتی ہے اور نفس میں جو آمد و رفت ہے
وہ ظاہر ہے۔ گر = مخفف اگر کا ہے مگر اب اردو میں متروک ہے۔
جادہ = راستہ۔ سہر منزل = سہ اس موقع پر زائد آیا ہے۔ منزل
نیف منزل۔ تقویٰ = پرہیزگاری و خداترسی۔ گذر گاہ = گذر کی جگہ
ہی = زائد نہیں آتا بلکہ حصہ و انحصار کے لئے آتا ہے۔ اس شعر میں
دوسرا مصرع شرط اور پہلا مصرع اسکی خبر ہے اگرچہ قاعدہ نحو کے لحاظ سے

شرط اول آنا چاہئے اور جزا اسکے بعد مگر جزا کی تقدیم شرط پر اشعار میں
جائز ہے۔ یہ شعر صاف اور عمدہ اور فلسفیانہ ہے یعنی اگر ہمارا دم اور
ہماری سانس منزل تقویٰ کا راستہ نہ بنی تو خیر نہ ہی ہمارا دل بیکار
نہ ہے بلکہ خیال شراب و جام کی گذر گاہ ہو جائے یعنی ہمارے نفس کو
ذکر آہی اور تسبیح و تہلیل نصیب نہوے تو نہ ہی۔ ہمارا دل شراب کے
خیال میں مصروف و مشغول رہے اور ہم شراب نوشی کیا کریں مطلب
یہ کہ بیکاری بری چیز ہے اگر آدمی کو خیر نصیب نہو تو شر ہی میں مبتلا رہے
مگر بیکار نہ ہے دل گذر گاہ خیال سے وسوسا غیبا یہ کہ نفس جاوہ
سہ منزل تقویٰ نشو و نما سے تغیر میں سا کم شعر فارسی بن گیا۔ حضرت
قبل گاہی مولانا والہ مرحوم و مغفور نے اس شعر کی شرح میں جو
باریک کی قید لگائی ہے درحقیقت نہایت عمدہ اور بامرہ و پر لطف ہے
اور اسکو اعلیٰ درجہ کا شاعر سمجھ سکتا ہے یہاں باریک بڑے کام کا
لفظ ہے کیونکہ جاوہ نفس کی صفت باریک ہو سکتی ہے۔

ہوں تروعدہ فکر نے بھی نظم کی کہی | گوشنت کش گلباغات لی ہوا

کہ = کاف تعلیل کا ہے اور اسکے معنی کیونکہ ہیں۔ کہ کہی دو سرے مصرع کے
متعلق ہے جو پہلے مصرع میں آگیا ہے اگرچہ فارسی میں بھی استادوں کے
کلام میں کہیں کہیں اس طرح آیا ہے مگر حقیقت میں ریکی ہے ہندوستان ترک
ہے کیونکہ جو چیز مصرع ثانی کے متعلق ہے اسکو مصرع اول میں داخل کرنا ضرور

وزن یا عجز طبیعت کی دلیل ہے۔ منت کش = احسان اٹھانے والا
 گلہ بانگ = مجازاً آواز کے معنوں میں آتا ہے اور حقیقت میں غم جو
 چٹخنے کی آواز کو جو شاعروں کے پاس ایک فرضی آواز ہے گلہ بانگ کہتے
 ہیں یہ لفظ مرکب ہے لفظ گل وربانگ سے قسلی = خوشی۔ گوش = گوش
 مذکر ہے مصرع گوش منت کش گلہ بانگ تسلی نژدہ۔ نژدہ کہنے سے مصرع
 فارسی ہو گیا۔

کس محرمی قسمت نکائی کیجیے ہم فریاد کیا کہ مریدین وہ بھی نہوا

یعنی اگر ہم مر جاتے تو ہکڑا فتنوں سے نجات مل جاتی اور اسی واسطے ہم نے
 ایسی خواہش کی تھی۔ مرزا نے اسی غزل میں کہا ہے میں نے
 چاہا تھا کہ اندوہ و فاس سے چھوٹوں + وہ ستمگرے مرے پہ بھی راضی نہوا
 ظاہر ہے کہ دونوں شعروں کا مطلب ایک ہے اس سے معلوم ہوا کہ غزل
 میں تکرار معنی معیوب نہیں ہے۔

مر گیا صدیک جنبش لب سے لبِ ناتوانی سر حریف دم عیسیٰ نہوا

کہتا ہے کہ میں بسبب ناتوانی کے لب معشوق کی ایک جنبش میں مر گیا اور چونکہ
 میں لب معشوق کا مارا ہوا تھا لہذا حریف دم عیسیٰ نہوا کیونکہ حریف دم عیسیٰ بنا
 اپنے لئے ننگ عار سمجھا۔ جب ایسے معشوق زیبائے کشتہ و مقتول ہو گئے تو
 پھر کیا زندہ ہوتے۔ زندہ ہونے کو اپنے لئے ننگ سمجھا کیونکہ لب معشوق نے

مارا ہے عاشقوں کو معلوم ہے کہ بعض وقت معشوق اپنے ہونٹوں کو ناز و دل
 کے ساتھ کچھ حرکت دیتے ہیں جس کا مطلب صاف سمجھنے میں نہیں آتا مگر
 اُس میں ہوتی کوئی بات ضرور ہے اور اپنے معشوق کی جنبش عاشقوں کو
 بہت پیاری معلوم ہوتی ہے اور عاشق اپنے خیال میں جو شش عشق کی وجہ
 اس اشارہ کے سیکڑوں سے تصور کرتا ہے۔ صدمہ = آسب اور
 ایک دفعہ باہم کو ٹٹا۔ یہاں پہلے سے یعنی آسب مراد میں اور چونکہ ہونٹوں
 کا باہم ملنا ناگوٹنے کے ساتھ شا بہت رکھتا ہے لہذا لفظ صدمہ سے
 اس شعر میں صنعت ایہام تناسب پیدا ہو گئی اور یہ تازہ و جدید لفظ ہے
 جو اس صنعت میں مستعمل ہوا ہے درحقیقت میرزا صاحب نے نہایت عمدگی
 اور تازگی کے ساتھ اس لفظ کو یہاں استعمال کیا ہے اور یہ لفظ اس
 صنعت میں معمولی لفظ نہیں ہے۔ یہاں اس لفظ کے دوسرے معنی
 مقصود نہیں ہیں مگر جنبش لب کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ یک جنبش
 لب = یعنی یک جنبش لب معشوق سے حر لطف = اس لفظ کے حقیقی
 معنی ہم پیشہ اور شریک اور حرف کنندہ کے ہیں اور مجازی معنی ہم صحبت
 اور ہم نشین کے ہیں کیونکہ جو ہم پیشہ ہوگا وہ کہی نہ کہی ہم صحبت اور ہم
 ہوگا۔ سے = یہی ہے نا توانی سے یعنی بسبب نا توانی کے دم عیسیٰ۔
 عیسیٰ علیہ السلام کی سانس جو مردوں کو زندہ کرتی تھی اور یہ عیسیٰ علیہ السلام
 کا معجزہ تھا۔ مر گیا اور نہوا کا فاعل غالب ہے۔ یہ شعر جادہ خیال بندی کا
 ایک عمدہ نمونہ ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلام کے اندر مخدوفات کے

ہونے سے متعدد معنی پیدا ہو جاتے ہیں اور درحقیقت خیال بند می بین
 اکثر یہ بات ہوتی ہے کہ ضروری الفاظ حذف کر دئے جاتے ہیں تاکہ
 سامع شش و پنج میں پڑ جائے اور بلا تامل بلکہ خوض و تامل سے بھی
 نہ سمجھے کہ قائل کیا کہتا ہے میرزا صاحب نے اس شعر میں لب کا مضاف
 الیہ حذف کر دیا ہے لہذا اس شعر کے سننے سے سامع کو بلا تامل یہ بات
 معلوم نہیں ہوتی کہ لب سے مراد لب معشوق ہے یا لب عیسیٰ۔ اب وہ
 اطراف و جوانب میں تلاش کرتا ہے اور اپنا خیال چار طرف دوڑاتا ہے
 تاکہ مضاف الیہ کو پیدا کرے مگر وہ نہیں ملتا لہذا شعر کے مطلب کی طرف
 اپنا خیال پھیلا یا تو یہ ضنون ذہن میں آیا کہ حریف دم عیسیٰ ہونے کے
 کیا معنی۔ کیا دم عیسیٰ کوئی خراب چیز ہے جس کا حریف بننا قائل نہیں
 چاہتا ہے تو فوراً یہ بات ذہن میں آئی کہ دم عیسیٰ نہایت پاکیزہ و مقدس
 اور مردوں کو زندہ کرنے والی شے ہے جب قائل ایسی عمدہ شے کا حریف
 ہونا نہیں چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ اُس سے بہتر اور عمدہ تر کوئی شے
 قائل کو ملی ہے جسکی وجہ سے اسکو یہ بے پروائی اور بے اعتنائی ہوئی
 ہے اب پھر سامع یہ سوچنے لگا کہ وہ کیا شے ہوگی اور اسی سوچ کے
 ساتھ قائل پر نظر ڈالی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے تو معلوم ہوا کہ شاعر
 وہ شعر اکثر اپنا ایک فرضی معشوق مقرر کر لیتے ہیں اور قائل کو جس چیز کے
 ساتھ عشق ہوتا ہے وہی شے اُس کے پاس عزیز تر اور عمدہ تر ہوتی ہے
 لہذا یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ لب معشوق مراد ہے نہ لب عیسیٰ کیونکہ معشوق

بہت عزیز ہے۔ اُس کے لئے ایک مقدس شے سے دست بردار ہو رہا ہے

تائیش گریہ ہر تقدیر جان رضوان کا	وہ اک گلدستہ بیخودوں کا نیساں کا
----------------------------------	----------------------------------

تائیش گریہ = تعریف کرنا والا۔ تائیش = تعریف و توصیف گریہ یہاں اگر کا مخفف نہیں ہے بلکہ ایک حرف ہے جو اسم فاعل کے معنی دیتا ہے بیخود = مست و بیہوش باغ رضوان = یعنی جنت۔ اور رضوان جنت کے داروغہ کا نام ہے گلدستہ = چند پھولوں کو ایک جگہ جمع کر کے جو ایک ستارہ اور مجموعہ بناتے ہیں اُسکو گلدستہ کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ دستہ گل ہے مگر محاورہ میں بقلب ضافت یعنی گلدستہ کہتے ہیں۔ کہتا ہے کہ ہم بے خودوں کو اپنی بیخودی میں وہ سیر کہانی مینا ہے کہ ہم جنت کو پہول گئے یعنی ہماری بیخودی سیر و تماشے کے لحاظ سے جنت سے بہتر ہے اپنی بیخودی کی توصیف کی ہے کہ ہم اپنی بیخودی میں تمام کائنات کی سیر کرتے ہیں بلکہ ہم ذات باری تعالیٰ کو دیکھتے ہیں جسکا جمال پاک حجب بہتر ہے اور اسی لئے جنت کو پہول گئے یہاں بیخودی سے عالم محویت کی بیخودی مراد ہے نہ کہ شراب کی بیخودی۔ جنت طاق نیسان کا گلدستہ ہے۔ یعنی جنت کو ہم پہول گئے اور جنت کو فراغ و خوش کر گئے۔ شعر صاف اور نہایت عمدہ ہے۔ مضمون کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ اگرچہ زبان کا فرق ہے۔

بیان کیا کیجئے بیدار کاوش کا ننگاں کا	کہ ایک قطرہ خون نہ ہر تپہ جہاں کا
---------------------------------------	-----------------------------------

یعنی عشق یار میں یاد یار یار کی تمنائیں میری آنکھوں نے جقدر خون میرے دل و جگر میں تھا اسکو کہیں کہیں قطرہ قطرہ بہا دیا۔ آنکھوں کی بیدار سے اب میرے دل و جگر میں کچھ نہ ہو باقی نہ رہا کیونکہ آنکھوں نے ایک ایک قطرہ کو دانہ تبیح مرجان کی طرح حساب شمار کر کے بہا دیا۔ ظاہر ہے کہ دانہ مانے تبیح کا حساب و شمار رکھا جاتا ہے۔ قطرہ خون اور دانہ تبیح مرجان میں تشبیہ نامہ ہے کاوش = کاویدن کا حاصل بالمصدر ہے بیان کیا کیجئے یعنی ہم بیان نہیں کر سکتے یعنی بیان کے قابل نہیں کیا = یہاں نفی کیوں لکھے آیا ہے۔

کیا آئینہ خانیکہ نقشہ تیرے نے	کر چو پر تو خوشیہ عالم شبنمستان کا
-------------------------------	------------------------------------

یعنی تیرے صفائے حسن کے مقابلے میں آئینہ خانہ غیر محسوس و زنا پیدا ہو گیا جیسے آفتاب نکلتا ہے تو شبنم غائب ہو جاتی ہے۔ نقشہ = یعنی حال اور شکل پر تو = عکس و پہاؤں۔ عالم = نقشہ اور حال۔

ہری تعمیر ہے اک صورت خرابی کی	ہیونی و من بنی گم رہتاں کا
-------------------------------	----------------------------

تعمیر = عمارت بنانا اور آباد کرنا۔ مگر یہاں فقط بنانیکے معنی لئے ہیں جسکو فارسی میں ساختن کہتے ہیں مضممر = پہلے میں کو پیش اور دوسرے

میم کو زبر ہے اور ضو اور رے ساکن ہیں۔ اس لفظ کے معنی پوشیدہ
 اور مخفی کے ہیں۔ خرابی۔ یعنی ویرانی اور تباہی و بربادی سیوولی
 اس لفظ کے متعدد معنی ہیں جیسا کہ لغات اور دشنیرون میں لکھا ہے
 کہ ہر ایک چیز کی اصل اور ہر ایک چیز کی ماہیت اور ہر ایک چیز کے مادے
 کو سیوولی کہتے ہیں۔ اور حکمائے اپنی اصطلاح میں اس لفظ کی یہ تفسیر
 کی ہے کہ سیوولی اس جو ہر کو کہتے ہیں جو صورت جسمانی کا محل اور حلول
 گاہ ہوتا ہے اور جو ہر اول کو بھی سیوولی کہتے ہیں اس طرح صوفیہ
 کی اصطلاح میں اس کے معنی کچھ اور ہیں یعنی روح اعظم اور طبیعت
 کل کو سیوولی کہتے ہیں الغرض اس لفظ کے ان معنوں کے سواے اور
 کئی معنی ہیں جنکو میں نے یہاں بخوف طوالت ترک کیا اور نیز غالب
 مرحوم کے اس شعر میں لفظ سیوولی کے وہی معنی ہیں جو حضرت قبلہ گامی
 مولانا والہ مرحوم نے وثوق صراحت میں لکھے ہیں یعنی
 مادہ۔ اور مادہ کے معنی اصلیت و مواد کے معنی ہیں۔ برق خرمین
 باضافت۔ انبار غلہ کی بجلی۔ یعنی وہ برق جو خرمین پر گرے اور اسکو
 جلا دے۔ خرمین = ہالکس انبار غلہ۔ تودہ غلہ۔ انارچ کا ڈھیر۔
 دہقان = کسان۔ مزارع۔ کھیتی کرینوالا۔ خون گرم = باضافت
 تپاک و جوشش دلی اور الفت و محبت کو کہتے ہیں اور مجازاً بمعنی سعی
 و کوشش آتا ہے۔ یہ شعر معنا صاف ہے مگر اس میں الفاظ کچھ دقیق
 ہیں اسی لئے میں نے پہلے لفظوں کے معنی لکھ دیے۔ شاعر سخن شناس

جانتا ہے کہ بہشتان غزل کی نہیں ہے بلکہ قصیدہ کا انداز ہے کیونکہ دقیق
 اور شکل الفاظ غزل میں خوشنما نہیں معلوم ہوتے بلکہ قصیدہ میں نہایت
 ترتیب ہے مگر میری رائے میں جس قصیدہ میں شکوہ لفظی نہ ہو وہ قصیدہ ہی
 نہیں ہے غزل میں ایسے دقیق لفظوں کا استعمال کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم
 ہوتا مگر بعض لوگوں کا مذاق ہی ایسا ہوتا ہے جو علاج پذیر نہیں -
 میرزا صاحب اس شعر میں اپنی بد بختی اور بد نصیبی کو ظاہر کرتے ہیں اور
 کہتے ہیں کہ لوگ جو کوشش در سعی میری صلاح و فلاح کے واسطے
 کرتے ہیں وہ کوشش میرے لئے عین تباہی و بربادی کا باعث ہو جاتی
 ہے کیونکہ میں اصلیت و ماہیت کے لحاظ سے خرابی اور ویرانی کی شکل
 و صورت ہوں اور میرے محسن کی سعی و سفارش میرے لئے ہی مضر نہیں ہے
 بلکہ میرے محسن کو بھی نقصان پہنچاتی ہے کیونکہ خرمن کے جل جانے
 سے دہقان کا نقصان ہوتا ہے۔ اس شعر میں اپنے محسن و مہربان کی
 تشبیہ دہقان کے ساتھ دینی ہے۔ خون گرم دہقان کا یعنی کسان کی
 سعی و کوشش بیہولی برق خرمن کا ہے یعنی برق خرمن کا مادہ ہے
 یعنی اسکی کوشش خرمن کو جلا دیتی ہے۔ مگر میرے آباد کرنے میں
 ایک شکل و صورت خرابی اور ویرانی کی پوشیدہ ہے یعنی میں آباد
 نہیں ہو سکتا ہوں کیونکہ دراصل اور درپردہ میں ویرانی اور خرابی کی شکل ہوں
 لہذا جو کوئی میرا محسن و مہربان بننا ہے وہ خود نقصان اٹھاتا ہے اور
 میرے امیدوں کا ڈھیر خاک و راک ہو جاتا ہے۔ تعمیر اور حشرابی

صنعت تضاد ہے۔

اگا ہی گھیر میں ہر سو سبز و پرتی تماشا کر | مدار کہو نے گھلا کے ہے پیر دربان کا

ویرانی = منادی۔ اے حرفِ ندامتِ خوف ہے یعنی اے ویرانی۔ تماشا کر دیکھ۔ تماشا کرنا یعنی دیکھنا۔ یہہ فارسی محاورے یعنی تماشا کردن کا ترجمہ ہے۔ ویرانی تماشا کر یعنی اے ویرانی دیکھ۔ ہر سو = ہر طرف۔ اے جو انب میں۔ کل اطراف میں یعنی میرا گھر ویران ہو گیا ہے اور اُس کے دروازے اور دیواریں گر گئیں ہیں اور اُس کے ہر ایک جانب میں سبز و پرتی جیسا ویران اور اقادہ مکانوں میں ہوتا ہے۔ اے ویرانی اس حالت کو دیکھ۔ دوسرے مصرع میں سبز کے کثرت کا بیان ہے یعنی سبز اس قدر اگا ہوا ہے کہ میرے گھر کا دربان اُس کو کھو کر بیچتا ہے اور اُسکی قیمت پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے دربان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اب میرے دربان کی یہی تنخواہ ہے کہ میرے خانہ ویران کی گہاسن بچا کر اُسکی قیمت لیتا ہے

خمشوی میں ناخوش گشتہ کو آرزو میں | جبرِ مہرِ ہون میں بن گیا گورِ بیاں کا

اگرچہ میں خاموش ہوں اور بیاں سے کچھ نہیں کہتا اگرچہ دل میں لا کہوں کہ میں ناخوش ہوں۔ غریب کی جمع ہے اور غریب اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے وطن میں نہ ہو۔ گور غریبان یعنی اُن لوگوں کی قبر جو پردیس میں مرے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص پردیس میں مرے ہے

اسکا کوئی پرسان و جویان نہیں ہوتا کیونکہ شخص غریب الدیار کو کوئی جانتا اور پہچانتا نہیں۔ جب غریب الدیار کی ایسی حالت ہوتی ہے تو پھر اسکی قبر پر چراغ کون جلاتا ہے۔ کیونکہ قبر پر چراغ روشن کرنا اہل بدعت کے یاس اعزاز و امتیاز کی بات ہے۔ لہذا دوسرے مصراع کے مجازاً یہہ معنی ہیں کہ میرے احوال اور میرے آرزو کا کوئی پرسان و جویان نہیں ہے۔

سنہ زاکب تو نقش خیال باقی ہو	دل فسرہ گویا چہرہ یوسف کے زندان کا
------------------------------	------------------------------------

یعنی جمالِ یاک کے تصور سے میرا دل سطح نورانی اور منور ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے قید خانے کا چہرہ منور تھا۔ مگر یہ تھا ہے کہ زندانِ یوسف کا چہرہ یوسف علیہ السلام کے فروغِ حسن و جمال کیونکہ سے نورانی اور منور تھا اسی سے کہتا ہے کہ ہمارے دل فسرہ میں ایک ذرا سا خیال جو ہمارے معشوق کا ہے تو اسکی وجہ سے ہمارا دل بھی چہرہ یوسف علیہ السلام کی طرح منور اور نورانی ہے۔ اس شعر میں مضمون کی نزاکت یہ ہے کہ اپنے معشوق کے حسن و جمال کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے بہتر قرار دیا ہے دل فسرہ مشبہ اور چہرہ یوسف علیہ السلام مشبہ بہ اور منور ہونا وجہ مشبہ ہے۔ پھر تو = عکس و شبیہ۔ چہاؤن = نقش = صورت افسرہ = عکس۔ اسکا یا ہوا = عکس اس کے مجازی معنی ہیں اور یہاں مجازی معنی

مراد ہیں یہ اسم مفعول ہے اور اسم مفعول بمعنی اسم صفت آتا ہے۔ دل
افردہ یعنی ہمارا دل افردہ۔ ہمارا مخدوف ہے۔ گویا = حرف
تشبیہ ہے۔ درحقیقت لاجواب شعر کہا ہے۔

بغل میں غم کی آج آسوتے ہیں نہ	سب کیا جو ہیں اگر تبسم نہ کیا
-------------------------------	-------------------------------

معتوق کو رقیب کے ساتھ جو وصل ہو گا تو عاشق کی آرزو کی کاباحت ہو گا
اور معتوق کا یہ کام ہے کہ اپنے عاشق کو تاد سے اور رنج دیو سے اور
اسی غرض سے کہ عاشق کو رنج پہنچے غیر کی بغل میں سوتا ہے اور عاشق
کو ستانیکے لئے اُسکے خواب میں آکر نہتا ہے جس تبسم کی خیالی اور وہی
یہ تعبیر ہے کہ ہم نے غیر کو اپنے وصال سے کامیاب کیا ہے یعنی معتوق
جو خواب میں آکر سکراتا ہے تو عاشق بدگمانی کی راہ سے یہ سمجھتا ہے
کہ غیر کو وصال معتوق حاصل ہوا ہے اور اس واسطے معتوق مسکراتا ہے
کہ دیکھو تمکو ہم نے اپنے وصال سے محروم رکھا اور غیر کو کامیاب کر دیا
لہذا عاشق اور زیادہ غم کہتا ہے کیونکہ عاشقی میں وہم اور بدگمانی
اور خون بہت ملے ہوئے ہیں تبسم = حقیقت میں مسکرائیو
کہتے ہیں اونٹنے کے معنوں میں بھی متل ہوتا ہے پنہان کسم صفات میں آتا ہے اور ہم
پنہان ایسے تبسم کو کہتے ہیں جسکو سوائے عاشق کے دوسرے لوگ دیکھ نہ سکیں
یعنی معتوق اس طرح چپکریا پڑ پڑ کا دامن وغیرہ اڑ کر کے مسکرائے
کہ صرف عاشق اُسکو دیکھے اور دوسرا شخص دیکھ نہ سکے اور معتوق

ایسا تسم اُسی وقت کرتا ہے جبکہ خود بھی اپنے عاشق پر مائل ہو۔

نہین معلوم کس کا لہو پانی ہو گا	قیامت سے شکر لود ہو میری مرگ کا
---------------------------------	---------------------------------

سرشک = اشک اور آنسو کو کہتے ہیں اصل میں سرشک سے از قبیل ہنجرہ
 و سرنجہ کے۔ قیامت ہے = یعنی بڑا کام ہے۔ بڑی بات ہے
 کارِ بزرگ و عظیم ہے۔ یہ ہے قیامت است کا ترجمہ ہے اور فارسی
 والے چہ قیامت است نہایت آفت خیز کے معنوں پر بولتے ہیں
 مرگان کا سرشک لود ہونا کنایہ ہے رونے سے۔ کہتا ہے کہ اے
 معشوق تو جو روتا ہے یہ ایک بہت بڑی بات ہے اور یہ ایک
 آفت خیز معاملہ ہے۔ نہین معلوم تو نے کون کونسے عاشقانِ فادار
 کا قتل کر دیا ہے کہ جسکی وجہ سے اب پچھتا رہا ہے اور روتا ہے
 کہ کیوں قتل کر دیا اُن کے وجود سے تو میری شہرت اور ناموری اور
 بہلائی تھی۔ حاصل یہ کہ معشوق اپنے عاشقانِ صادق کے مقتول ہو جانے
 پر روتا ہے۔ کس کس کا یعنی کون کونسے عاشقانِ صادق کا۔
 پانی ہونا۔ یعنی بہنا کیونکہ پانی ایک سیال و رہنے والا عنصر ہے
 لہذا پانی ہونیکے مجازی معنی بہنے اور روان ہونے اور جاری ہونے
 کے ہیں۔

نہین معلوم کس کا لہو پانی ہو گا	کہ تیرے عالم و جزا پریشان کا
---------------------------------	------------------------------

یعنی غائب تارسی نظر میں جادہ راہ فنا ہے کیونکہ جادہ راہ فنا عالم کے
اجزائے پریشان کا شیرازہ ہے۔ یہاں اشار الیہ جادہ راہ فنا ہے نہ نظر۔
عالم یعنی دنیا کو کتاب قرار دیا ہے۔ جادہ کے معنی راستہ کے ہیں
پھر جادہ راہ فنا اضافت دراضافت محل تائیل ہے شاید
ضرورت وزن کے لحاظ سے اس طرح کہا ہے اب بعض لوگ
اسکی تقلید کر کے قالب تن بیجان وغیرہ کہا کرتے ہیں اہل
سان کے کلام میں اس طرح دیکھنے میں نہیں آیا۔ دنیا کے
جو پریشان اجزا ہیں یعنی خواہشات نفسانی اور شہوات
بہیمی یہ سب موت کا خیال باندھنے سے فنا ہو جاتے ہیں
اور اسی واسطے یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے کہ موت کا
ذکر مادم لذات ہے یعنی خواہشات نفسانی اور طمع دنیوی
کیوجہ سے آدمی پریشان خاطر رہتا ہے مگر جب موت کو
یاد کرے اور انجام کو دیکھے اور خاتمہ پر نظر ڈالے تو دلو
کچھ جمعیت حاصل ہو جاتی ہے۔

نہو کیا یا باندگی فوق کم میرا جہاں جو قمار نقش قدم میرا

دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ میرا نقش قدم بھی میرے ساتھ ساتھ
چلا آتا ہے ج طرح موج کے ساتھ موج کے بلبلے چلے آتے ہیں
اور جباب موج سے یہ معنی نکلتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرا

ذوقِ صحر اگر دی کہی کم نہوگا۔ مولانا ذوق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 وہ ہون میں رہ نورِ شوق میرے ساتھ جاتا ہے + پر رگسائے
 مرغ ہوا نقشِ قدم میرا + اور اس پیچیز کا شہر ہے + یہ شوق قطع
 راہ ہے مجھ کو کہ دشتِ مین + جہہ سے بھی گرم تر مرانِ نقشِ قدم ہوا +
 ان تینوں اشعار کا مضمون ایک ہے مگر پیرایہ جدا جدا ہے اور مضمون
 یہ ہے کہ مجھ کو ذوقِ دشتِ نوردی و شوقِ صحر اگر دی بید و بے انتہا ہے
 اور میری رائے میں ذوقِ علیہ الرحمۃ کا شہر سے بہتر ہے کیونکہ نہایت
 تشبیہ کے علاوہ قریب الفہم ہے۔ مزا غالب نے یہ مضمون نقشِ قدم
 متعلق کہا ہے اور درحقیقت جنابِ موجہ رفا کی تشبیہ تازہ و جدید ہے
 مگر بعید الفہم ہے اور جو دلچسپی ذوق کی تشبیہ میں ہے وہ اس تشبیہ میں
 نہیں ہے مگر تاہم عمدہ تشبیہ ہے ماندگی = تھکاوٹ - تکان -
 یک بیابان = کثرت اور افراط کے موقع پر بولتے ہیں اور اس کے
 معنی کثیر اور بے انتہا اور نہایت کے ہیں۔ موجہ = موج اور موجہ
 مترادف ہیں یعنی جو معنی موج کے ہیں وہی معنی موجہ کے ہیں۔ موجہ
 فرید علیہ ہے موج کا اور موجہ کی جڑ لگتا ہے۔

محبوبی چمن سے لیکن یہہ دعویٰ	کروج بوجھل سے ناکِ تیناں دھیرا
------------------------------	--------------------------------

یعنی اب بولے گل میرے موافق مزاج و سازگار طبیعت نہیں ہے بے ماغی =
 یعنی بے پروائی و اعراضِ انکار۔ بولے گل کو موج کے ساتھ تشبیہ تین ہیں

اور ہر ایک بو کو موج کے ساتھ تشبیہ سے کہتے ہیں مگر بو کی افراط و تفریطیابی
 و کثرت شرط ہے اگر افراط بو کی نہ ہو تو اس کو موج کے ساتھ تشبیہ نہیں
 دے سکتے۔ اس شعر کے مضمون سے بوسے فراق آتی ہے اور فراقیہ
 مضمون معلوم ہوتا ہے۔ کہ = کاف بیانیہ ہے جو بے دماغی کا حال
 بیان کر نیکے لئے آیا ہے چمن سے = یعنی چمن کے ساتھ۔ یہ ہے
 معیت کے معنی دیتا ہے۔ موج بوسے گل سے یعنی بسبب موج
 بوسے گل کے۔ یہ ہے سببیہ اور علت بیان کرتا ہے۔ شعر نہایت
 عمدہ اور صاف ہے۔

سپارہن عشق گزیر الفتی	عباد بق کی ہون افسوس حاصل
-----------------------	---------------------------

خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **س** ہرگز نہیں دانک دلش
 زندہ شد عشق بشت است بر جریہ عالم دوام ما۔ اور میر حسن دہلوی
 رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **س** در عاشقی ہیر حسن تا شوی تمام
 نشیدہ ہر آنکہ میر تمام شد۔ ان ابیات کا حاصل یہ ہے کہ عشق
 و عاشقی میں جو شخص مر جاتا ہے وہ زندگی دوام پاتا ہے۔ کیونکہ جو
 شخص عاشق پاک ہو کر مرے گا وہ شہید کا درجہ پائیگا جیسا کہ حدیث شریف
 میں آیا ہے **مَنْ عَشَقَ وَ مَاتَ فَهُوَ شَهِيدٌ** اب میرزا غلام
 یہ فرماتے ہیں کہ میں سپارہن عشق ہوں لہذا مجھ کو حیات جاوید و زندگے
 دوام حاصل ہو ہی ہے اور اس حیات جاوید کے حاصل کرنے میں میں مجبور

و مغدور ہوں کیونکہ سراپا مرہونِ عشق ہوں اور عشق و عاشقی پاک کا بیہ نتیجہ ہے کہ حیات جاوید حاصل ہو جائے مگر میں نے جو عشق و عاشقی کی تھی تو اُسکی غرض اور غایت بیہ تھی کہ میں فنا کا طالب تھا اور معدوم ہونا چاہتا تھا کیونکہ عشق کو مہلک اور جانِ ستان اور فنا کنندہ جانتا تھا مگر میرے عندیہ کے برخلاف مجکو ہستی حاصل ہوئی اور ناگزیر ہستی کی محبت و الفت میرے دانگ ہوئی لہذا میرزا صاحب دوسرے مصرع میں تعجب و تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق جو برق کے مانند ہے اسکی عبادت محض سوختہ و فنا ہونے کے لئے کرتا تھا مگر مجکو فنا کے عوض میں بقا حاصل ہوا تو اس حاصل پر جو میری مرضی اور میری خواہش کے برخلاف ہے افسوس کرتا ہوں کیونکہ مقتضائے عالمِ زندگی افسوس ہے۔ المختصر یہ کہ ہم نے عاشقی کر کے حیاتِ جاوید حاصل کیا جو ہم کو ناگوار و ناپسند ہے۔ کیونکہ ہم تو فنا کے طالب تھے۔ اس شعر میں عقیدہِ مثنوی بہت کچھ ہے اور یہ شعر جاوید خیالِ بندگی کا عمدہ نمونہ ہے۔ کیونکہ ایک صاف مضمون کو کقدیر پیچیدہ بنا کر لکھا ہے۔ پہلا مصرع پورا فارسی ہے مصرع سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ بہستی۔

بقدرِ ظرفِ ساقیِ خارشہ کا بھی | جو دریا میری تو میں یہ چن سبھاں کا

ظرف = یعنی حوصلہ و استعداد و لیاقت۔ چمنیا زہ = انگڑائی۔ شاعر نے اس شعر میں ساقی کو دریا سے اور اپنی ذات کو ساحل سے تشبیہ دی ہے

بقدر = بازازہ - بمقدار تشنہ کامی تشنگی اور پیاس - خمار = اعضا
 تشنگی و دردمند و غیرہ خراب حالت جو شراب گشتہ اتر جانے کے بعد پیدا ہوتی
 ہے - ساقی = مناد ملی یعنی اسے ساقی - کہتا ہے کہ جقدر ساقی کے
 پیاس شراب ہے اسی قدر میں تشنہ اور پیاس ہوں یعنی ساقی سے مجھ کو
 کوئی فائدہ اور فیض حاصل نہیں ہے اگر ساقی دریا سے شراب ہے تو
 میں سا حل تشنہ کامی ہوں یعنی مجھ کو ساقی سے کچھ فائدہ نہیں چنانچہ مرزا
 صاحب ہیر پری رحم فرماتے ہیں ۵ ہتی دستان شمت راجہ بود از
 رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را - مرزا غالب
 کہتے ہیں کہ میرا بھی ایسا ہی حال ہے - حالانکہ ساقی دریا ہی شراب ہے
 مگر میں سا حل کی طرح تشنہ کام اور نا کام ہوں باوجودیکہ ساقی سے نزدیک
 ہوں مگر فیض یا بھین ہوں اور تشنہ دہن و خشک لب ہوں جیسے ساحل
 کہ دریا سے نزدیک ہے مگر تشنہ اور خشک و سوکھا ہوا ہے -

جقدر ساقی فراخ حوصلہ ہے اسی قدر میں محروم قسمت ہوں - طرف
 یعنی طرف ساقی طرف کا مضاف الیہ جو ساقی ہے اُس کو قائل نے حذف
 کر دیا ہے تاکہ کلام میں وقت اور اشکال پیدا نہ ہو - یہاں یہ بات معلوم کرنا
 ضرور ہے کہ طرف کس کا طرز بیان سے ظاہر ہے کہ یہاں ساقی کا طرف
 مراد ہے - اس شعر میں ایک پہلو یہ ہے کہ ساقی سے طلب شراب یا غی طاقی
 ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شخص خمار زدہ ساقی سے شراب طلب کرتا رہی
 اور شراب مانگتا ہے - جیسے کوئی غریب آدمی کسی امیر سے کہے کہ اب میرے

تو میں فقیر ہوں اس جملہ میں کنایتہ ایک گونہ طلب ال اور سوال پایا جاتا ہے۔
- اگر چہ صراحت نہیں ہے

محرم نہیں ہے تو ہونا اے از کا | یاں رزمہ حجاب ہے پردہ ہونا کا

یاں = اپنے دنیا میں یا محل سماع یا نرم نشاط میں - محرم = راز دار - واقف کا
اور یہ مجازی معنی ہیں۔ بعض گروہ صوفیہ کے پاس سماع جائز ہے اور یہ
سمجھتے ہیں کہ اسکے ذریعہ سے تقریباً لی اللہ حاصل ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ
اس شعر میں مخاطب علماء ظاہر ہیں یا وہ لوگ مخاطب ہیں جو سماع کے
مخالف ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اے مخالف سماع تو ہونا اے راز کا راز دار اور
واقف کا نہیں ہے اگر تجھ کو قوف تو ہا تو ہر ایک حجاب کو پردہ ساز تصور کرتا۔
یعنی سماع کی مخالفت عدم قوف کی وجہ سے ہے۔ ساز میں پردہ ہونے
میں لہذا حجاب کا لفظ ساز کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ ہوا = یعنی غصہ
اور موسیقی کے مقاموں سے ایک مقام کا نام ہے لہذا یہ لفظ ہی ساز کے
ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ حجاب = پردہ

رنگ شکستہ صبح بیاں ہے | بیہوشی سے شگفتن گلہائے ناز کا

ناز = سولے معنی شہو کے سر کے اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اسکو
ناز اس واسطے کہتے ہیں کہ شامل نہیں ہوتا۔ یہ بات معلوم ہے کہ سر کو پھول
اور پھل نہیں ہوتے یہاں شاعر نے یہ مضمون اخذ کیا ہے کہ ہم عاشقوں کا

گلستان اور ہم عاشقوں کی صبح بہار ہمارے رنگت کستہ ہے اور کچھ نہیں -
جیسے سروناز کو پہول اور پہل نہیں ہوتے اس طرح ہماری صبح بہار نظارہ کو
پہول اور پہل نہیں ہوتے بلکہ یہاں صبح بہار ہی نہیں ہے صرف ہمارے ہی
رنگت کستہ کا نظارہ ہے - یہاں باغ کہان اور یہاں بہار کہان - یہاں
سروناز کے پہول کہل رہے ہیں ظاہر ہے کہ سرو کو پہول نہیں ہوتے اس سے
یہ بات نکالی کہ ہلو بہارا اور باغ نہیں ہے بلکہ ہم شکستہ خاطر اور شکستہ
ہیں شوکت بخارائی کا شعر ہے **سے** ز جوش گریہ ماگا ہوا رہ میتاب
بیاض دیدہ آہست شیردایہ ماہ جو غلما اور ادب شوکت کی طرز خیال ہندی
سے نا آشنا اور نا واقف تھے انہوں نے شوکت کے اس شعر پر یہ اعتراض
کیا تھا کہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہوتی اور بعض صاحبوں نے
ارشاد فرمایا تھا کہ شاید ایران کے ہرنوں کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہوگی
غرض خیال ہندی نے بہت سے لائق لوگوں کو بھگا دیا اور یہ بات
ذہن میں نہ آئی کہ قائل کا عین مقصود یہی ہے کہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی
نہیں ہوتی ہے اور اس واسطے یہ کہا ہے کہ ہماری دایہ کا دودھ چشم
آہو کی سفیدی ہے چونکہ ہرن کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہوتی لہذا اس سے
یہہ استعارہ کیا کہ دودھ نہیں ہے - مرزا غالب مرحوم چونکہ شوکت کے
مقلد تھے لہذا انہوں نے شوکت کی اسی ترکیب سے یہہ ترکیب نکالی ہے
اور درحقیقت مرزا کا یہہ شعر اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور مرزا کی عالی
دباغی اور نازک خیالی کا عمدہ ثبوت ہے رہا ہے - خیال ہندی ہے

عمدہ چیز مگر اسی وقت جب اسکے اصول اور قواعد مقرر ہو جائیں۔ مگر غالب کے
 اس شعر کے معنی جو میں نے بیان کئے ہیں ان کے سواے کوئی دوسرے
 معنی مربوط اور چسپان نہیں ہوتے۔ شوکت بخارائی کا ایک اور شعر
 اسی قسم کا ہے وہ کہتا ہے **سینہ اندبان میں کلام مراد نوشتہ**
اند باب عقیق نام مرا۔ آب عقیق = کوئی سیال چیز نہیں ہے جس سے
کچھ لکھ سکیں۔ پس آب عقیق یعنی جلائی عقیق اور رونق عقیق۔ لہذا دوسرے
مصرع کا یہ مطلب ہے کہ بتان میں مجھ کو بہول گئے اور فراموش کر گئے۔ دیکھئے
خیال بندی اور تازہ تراکیب یہ ہیں جو نہایت لذیذ اور دلچسپ ہوتے ہیں
مگر بعض مضمون جادہ خیال بندی میں بالکل غیب و ربے پتہ ہوجاتے ہیں
یہ اون کے مصنفوں کی کم استعدادی کا باعث ہے یا خیال بندی کے
فروع اور اصول مقرر نہ ہونے کا سبب ہے یا یہ جادہ ہی کچھ ایسا ہے کہ کہیں
بہار اور لطف دیتا ہے اور کہیں درد سزاورینچ پہنچاتا ہے اور کہیں غما
از نظر ہو جاتا ہے نظارہ۔ یعنی دیکھنا۔ یہ لفظ تشرید کے ساتھ ہی
مگر تخفیف کے ساتھ ہی بولتے ہیں۔ رنگ شکستہ = یعنی رنگ فتنہ۔ جو
رنگ چہرہ سے اڑ گیا اس کو رنگ شکستہ کہتے ہیں۔ شکستہ رنگ کے
صفات میں سے ہے۔

تو اور سو غیر نظر مائے تیز تیز	میں اور دکھ ترے مرنے والے دراز کا
--------------------------------	-----------------------------------

دونوں مصرعون میں اور ملازمہ کا ہے یعنی تیرے لئے وہ لازم ہے اور میر کے لئے

یہ لازم ہے یعنی غیر کی طرف تیز تر تنگاہیں کرنا تیرے لئے لازم ہے
اور تیرے فرکان دراز کا غم کہا نا میرے لئے لازم ہے۔ مطلب یہ کہ
مشتوق جو غیر کی جانب دیکھتا ہے تو محلو غم والہ ہوتا ہے دیکھہ =
رنج و اندوہ و غم والہ۔ غیر = رقیب۔

صبر ضبط آہن میرا و گریز | طعمہ ہون ایک نفس جانگداز کا

صبر یعنی نایدہ و منفعت رفع۔ طعمہ = لوالہ و لقمہ نفس = دم اور
سانس۔ اگر ضبط آہ نکروں تو ایک ہی نفس جانگداز کا طعمہ ہون لہذا ضبط
آہ میں میرا صبر ہے۔

میں بسکہ جوش بادہ شیشے چہل ہے | ہر گوشہ بساط ہے شیشہ باز کا

جب شراب تیز اور تند ہوتی ہے تو شیشے شراب کے خود بخود اچھلتے ہیں اور
ٹوٹ جاتے ہیں جیسے سوڈا و اثر اور لمونیڈ کے شیشے کہ جب سوڈا وغیرہ
تیز اور پر جوش ہوتا ہے تو شیشے خود بخود اٹھتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے
ہو جاتے ہیں۔ بساط = یعنی فرش۔ از بسکہ جوش بادہ سے شیشے
اچھل رہے ہیں لہذا بساط کا ہر ایک گوشہ گویا شیشہ باز کا سر ہے۔

کاوش کا دل سے تقاضا ہنوز | ناخرچ قرض اگر نیم باز کا

گرہ نیم باز سے مراد دل ہے۔ دل و گرہ میں تشبیہ ہوتی ہے وجہ شیشہ

کو چکی اور مدور ہونا ہے۔ نیم باز = یعنی نیم شادہ اور آدھا کھلا ہوا۔
 کرے ہے = اب متروک ہے اسکی جگہ میں کرتا ہے یا کرے گا کہتے ہیں
 کہ = کاف تعلیل کا ہے اسکے معنی میں کیونکہ۔ یہاں ناخن کے حقیقی
 معنی مراد ہیں کیونکہ ل کو گرہ نیم باز کہا ہے اور گرہ کے لئے ناخن
 حقیقی درکار ہے نہ مجازی۔ کاوش = کافتن کا حاصل بالمصدر
 ہے کاوش یعنی کھودنا۔ تخص و تحبس۔ یہہ کا و کا مترادف ہے
 اور اس کے معنی میں اسی رسالے میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ اس شعر
 میں دل قرض دہ اور ناخن قرض گیر اور کاوش قرض ہے اسی واسطے
 دل اپنے مال کا تقاضا کرتا ہے جو کاوش ہے۔

تاراج کاوش غم بھرا سدا | سینہ کہ تھا دینہ گہرائے راز کا

دینہ = جو مال زمین میں دفن ہو اسکو دینہ کہتے ہیں۔ مجازی معنی
 خزانے کے ہیں۔ سینہ بتدا اور تاراج کاوش غم بھرا اسکی خبر اور
 ہوا فعل ناقص ہے۔ اسدا = مناد می یعنی اے اسد۔ یعنی غم بھرا نے
 میرے سینہ کو جو گہرائے راز کا دینہ تھا برباد کر دیا یعنی غم بھرا نے
 سکو مار ڈالا اور ہمارے مرگ کا باعث ہوا اور ہماری کچھ قدر انکی۔
 تاراج کاوش غم بھرا بشد اسد پسینہ کہ دینہ گہرائے راز راجہ ذرا
 تغیر میں شعر فارسی ہو گیا۔

بہم شاہنشاہین اشعار کا دفتر کھلا | رکھو یہ تیرے در گنجینہ گوہر کھلا

گنجینہ گوہر یعنی نرمل شائستہ - مطلب یہ ہے کہ ہمارے شائستہ کو شعرو
 شاعری کا ذوق و شوق ہوا ہے اور خود شائستہ شعر کہتے ہیں اور
 شاعروں کی قدر کرتے ہیں چونکہ میں بھی شاعر ہوں لہذا یہ دعا دیتا ہوں
 کہ خدا سے تعالیٰ نرمل شائستہ کو قایم رکھے تاکہ میری بھی کبھی کچھ قدر ہو جائے
 اور انعام و خطاب مل جائے۔ پہلا کہلا ماضی مطلق کے معنی پر اور دوسرا
 کہلا اسم مفعول کے معنی پر ہے۔ مصرع ثانی میں جو کہلا ہے اُسکے یہ معنی
 ہیں کہ کہلا ہوا۔ ایچھا یہ در گنجینہ گوہر یعنی یہ در نرمل شائستہ کہلا ہوا
 رکھیو۔ رکھیو اب متروک ہے اسکی جگہ میں رکھیو یا رکھنا کہتے ہیں۔ دوسرے
 معنی یہ ہیں کہ گنجینہ گوہر اشعار کا دفتر ہے۔ اور نرمل شائستہ اُس گنجینہ کا
 در ہے یعنی نرمل شائستہ میں عمدہ اور منتخب اشعار جو ابھر کے جیسے ہیں اُنکا
 تذکرہ اور چرچا ہے لہذا میں جو شاعر اور سخن شناس ہوں دعائے خیر
 دیتا ہوں کہ وہ دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا رہے۔ دونوں معنوں کا حاصل
 ایک ہے کہ بادشاہ کو شعرو سخن کا ذوق و شوق ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ
 کو سلامت رکھے۔

شب بھر سچرا نجم خندہ کا منظر کہلا	اس تکلف سے کہ گویا تہکدہ کا در کہلا
-----------------------------------	-------------------------------------

ظاہر ہے کہ جب ہندو لوگ تہکدہ کا دروازہ کھولتے ہیں تو روشنی کرتے ہیں
 اور چیراغیں جلاتے ہیں اور بجلی نواع و اقسام کی آرائشیں اور کلفات کرتے ہیں
 منظر۔ یعنی نظر کا مناظر اسکی جمع ہوا نجم ستارے۔ کو اکب۔ نجم اسکا واحد ہے

گرچہ یونہی پر کثرت دو کا کہاں ہے | آئین میں نہ نہنہان ہاتھ میں تشر کہاں

دشمنہ حقیقت میں سا طور کو کہتے ہیں جس سے گوشت کا شے ہیں اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے سا عد اور کلائی کی تشبیہ کے ساتھ دیجاتی ہے جیسے برو کی تشبیہ کمان اور تلوار سے اور نظر کی تشبیہ تیر اور تلوار سے دیتے ہیں - یہ شعر مرزا نے سا عد مشوق کی تعریف میں کہا ہے اور اس کے سا عد حسین کو اپنے لئے دشمنہ سا طور قرار دیا ہے یعنی جس ہاتھ میں فصہ دیوانہ کے لئے نشتر ہے وہی ہاتھ میر سے لئے باعث جنوں ہو رہا ہے - اس شعر میں دوست کا لفظ ایسا ہے کہ نفاق کے معنی مربوط نہیں ہوتے کیونکہ منافق کو دوست کہہ نہیں سکتے - یہ بھی ممکن ہے کہ طعن و طنز کی راہ سے دوست کہا ہو اور مراد دشمن ہو مگر ان معنوں میں تعقید معنوی بہت ہے - کھلا = یعنی کھلا ہوا - ماضی مطلق کا ضیغہ اسم مفعول کے معنوں میں آتا ہے -

گو نہ سمجھو اسکی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بہید | پیر یہ کیا کم ہی کہہ چھٹے پری پیکر کہاں

اسکی باتیں اور اسکا بہید اضمار قبل ل ذکر ہے ان ہمنیوں کا مرجع پری پیکر ہے جو مصرع ثانی میں آیا ہے - گو = اگرچہ - ہر چند - پیر یعنی مگر جو استسا کیواسے آتا ہے مگر یہ ان معنوں پر اب متروک ہے - پری پیکر = پیکر پری وار مدہ - پیکر جسم اور جثہ کو کہتے ہیں - یہ اسم صفت مرکب ہے اور ایسے مشوق کو کہتے ہیں جس کا جسم از سر تا پا بہت حسین اور خوبصورت ہو -

ہے خیال حن میں جن عمل کا خیال | خلد کا اک در ہے پیر گور کے زک کہاں

اندھیری اور شب تاریک میں کوا کب اور تار سے زیادہ چمکتے ہیں اور سبب چاند کی
 روشنی نہ ہونے کے تاروں کی روشنی اور خوشندگی شب تار میں بہت بڑھ جاتی
 ہے لہذا اس شعر کا مضمون بدابہت اور فطرت آسمانی کے برخلاف ہے
 اور اس شعر میں بدابہت کا انکار ہے۔ شاید شاعر نے اپنے عالم خیال میں
 ایک بات فرض کر لی ہے جو بے لطف ہے جو لوگ فطرت کے دلدادہ
 اور حقائق کے گرویدہ ہیں وہ اس شعر کے مضمون سے غالباً متعجب ہوں گے
 اور اس شعر کی شرح میں یہ قید لگانی کہ عرش پر سے بلائیں اترتی ہیں
 اور عرش کو منسوب بہ بلیات و آفات کرنا صحیح نہیں کیونکہ ادب کے خلاف
 ہے اور عرش جو اللہ تعالیٰ کا استوا گاہ ہے اس کو عیب لگانا اور بدنام کرنا
 شعر اور غیرہ نے آسمان کو بلا کے ساتھ منسوب کیا ہے نہ عرش کو اس شعر کے
 معنی جو میرے ذہن میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ غم کی رات میں ہمارے
 گہر میں اندھیری ہے اور چراغ نہیں ہے اور تاروں کی اور چاند کی روشنی
 بھی ہمارے گہر میں نہیں آتی ہے کیونکہ ابر حائل ہے اور تاروں کی
 آنکھیں یا مہتاب کی آنکھیں ابر و سحاب کی طرف کھلی ہوئی ہے نہ ہمارے گہر
 کی جانب۔ فارسی میں ضرب المثل ہے مصرع خانہ درویش را شمع باز
 مہتاب نیت۔ سیرا یہ کہتے ہیں کہ غم کی رات میں ہمارے گہر کو شمع مہتاب
 بھی نصیب نہیں ہے کیونکہ ابر حائل اور مانع ہے اور دیدہ مہتاب بر کھٹیر
 کھلا ہوا ہے۔ بہر حال اس شعر میں اپنی بد بختی اور بد قسمتی کو ظاہر کیا ہے
 کہہلا۔ یعنی کہہلا ہوا۔ ماضی مطلق بمعنی اسم مفعول آتا ہے۔ میرزا صاحب کی

اس طرز گفتار میں صرف اشارات و کنایات ہیں جنکے ہر ایک شخص جدا جدا
 معنی بیان کرتا ہے اور اشارات و کنایات میں ہوتا یہی ہے کہ کوئی معنی
 معین و مقرر نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاں صراحت اور وضاحت نہ ہو تو سامع کا
 خیال اور اک معنی کے لئے چاروں طرف دوڑتا ہے اور جو معنی اُسکے ذہن میں
 مد رکھوں انہی معنوں کو کچھ یقین اور کچھ شبہ کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ قائل کا
 مقصود ہے ایسا اسلئے ایسی طرز گفتار کو شعر اے فصاحت شعار ناپسند کرتے
 ہیں اور محبوب جانتے ہیں کیونکہ وہ آیات و نباتات کے شائق و طالب ہیں
 اس شعر کے ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ دیدہ اختر ہمارے
 معشوق کی طرف کہلا ہوا ہے نہ ہماری طرف۔ یعنی کواکب و سیارات ہمارے
 معشوق کے نظارہ میں اور ہمارے محبوب کے دیکھنے میں مصروف ہیں لہذا
 ان کی روشنی ہمارے کاشانہ تک نہیں پہنچتی۔ اور اسوجہ سے ہمارا گھر
 تاریک ہے اور ہمارے گھر میں بلاؤں کا نزول ہو رہا ہے اور ہر ہی کو
 یعنی معشوق کے طرف۔

شب کی برق سوزل سے زہر آبر آتھا	شعلہ جوالہ ہریک حلقہ گرد آتھا
--------------------------------	-------------------------------

اس شعر کے مصرع ثانی میں تھاک کی جگہ بود لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی
 بنجاتا ہے مصرع شعلہ جوالہ ہریک حلقہ گرد آب بود اور پہلے مصرع میں
 اور تھاک دو لفظ اردو کے ہیں باقی کل الفاظ اور ترکیب فارسی کے ہیں۔
 میرزا کا کلام سمجھنے میں اردو والوں کو جو وقتیں پیش کرتی ہیں ازاں جملہ

ایک وقت یہ بھی ہے کہ میرزا کے کلام میں فارسی بہت ملی ہوئی ہے اور فارسی
 یہی وہ فارسی جو میرزا بیدل اور ناصر علی کی فارسی ہے نہ کہ فصحا کے عجم کی
 فارسی ظاہر ہے کہ بیدل اور ناصر علی کی فارسی میں ایسے شکل تراکیب اور پیچیدہ
 اسالیب کثرت سے موجود ہیں جو اصلی فارسی یعنی رومہ ایران میں نہیں
 ہیں۔ اس واسطے اہل سان اور ان کے پیرو بیدل اور ناصر علی کی فارسی کو
 فارسی ہندی اور بے معنی اور لغو و پوہج و پادر ہوا و خرافات کے خطابات
 دیا کرتے ہیں۔ جو آلہ = بہت اطراف پہنچوالا۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔
 اسکا مصدر بچول ہے اور بچول کے معنی اطراف پہنچنے کے ہیں۔ یہ لفظ
 شعلہ تیز و تند کی صفت میں اکثر آتا ہے۔ شعلہ بچوال یعنی وہ شعلہ جو جلا
 کے لئے اطراف بہت پھرتا ہو۔ بچول فتح کے ساتھ آتا ہے
 یعنی جیم پر فتح ہے۔ زہرہ آب ہونا = زہرہ پگھل جانا
 یعنی نادر ہو جانا بہت ڈرنا۔ نہایت خوف کھانا یا یہ فارسی
 محاورے زہرہ آب شدن کا ترجمہ ہے زہرہ فارسی میں پتے کو
 کہتے ہیں شاعر نے اس شعر میں سوز دل کو برق کے ساتھ
 تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے کہ میرے سوز دل سے رات کو
 ابر بہت ڈرتا تھا کیونکہ میرے سوز دل کا ہر ایک شعلہ حوالہ حلقہ گرداب
 کی مانند تھا۔ ظاہر ہے کہ جوشی گرداب میں آجاتی ہے وہ پھر نجات
 نہیں پاتی اور گہوم گہوم کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس واسطے ابراہی
 ہلاکت سے خوف کھاتا تھا کہ مبادا کسی شعلہ حوالہ میں پھنس جائیگا

تو ہلاک ہو جائیگا -

وان کرم کو غدا بش تھا غنا گہ خرم
گریہ بیان پنبہ بالمش کف سیلاب تھا

یعنی ہمارے پاس آئے ہیں معنوق کو یہ عذر تھا کہ بارش ہے اسوجہ سے
معنوق آہنیں سکتا تھا کیونکہ کپڑے اور پانی میں آنا ممکن تھا اور معنوق کی
جدائی و فرقت میں ہمارا یہ حال تھا کہ ہم بہت روتے تھے اور ہم اسقدر
روئے کہ ہمارے گریہ سے ہماری بالمش کا پنبہ کف سیلاب کی طرح پانی پر یعنی
آب گریہ پر تیر رہا تھا بلکہ کف سیلاب نہ تھا پنبہ بالمش ہی تھا جو تیر رہا تھا۔
پنبہ اور کف میں مشابہت ہے اور وجہ شبہ مفیدی و نرمی ہے۔ بالمش
یعنی تکیہ ۔

یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بخودی
جلوہ گل وان بساط صحبت اجبا تھا

یاں نفس الخ اس مصرع کی ترکیب بخودی یہ ہے کہ نفس فاعل ہے اور روشن
کرتا تھا اسکا فعل مرکب ہے اور شمع بزم بخودی مفعول بہ ہے یعنی ہمارا
نفس بزم بخودی کی شمع کو یہاں روشن کرتا تھا۔ روشن کرنا = مصدر
مرکب ہے نفس مذکر ہے جیسا کہ مراد نے یہاں باندھا ہے۔ اس مصرع
کے یہ معنی ہیں کہ ہم بسبب شدت غم و اندوہ کے بخود و بیہوش تھے۔

یاں ہر شہر بخوابی سو تھا دیوار جو
وان فرقنا ز محبوب بالمش کخواب تھا

دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ معشوق آرام و استراحت کر رہا تھا۔ فوق ناخن
یعنی سہنا ز فرق تالو کو کہتے ہیں مگر یہاں قاعدہ مجازہ سبیل کے رو سے
سہرا ہے۔ محو یعنی مصروف و مشغول۔ بالمش = تکیہ کچھو آب =
ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہے جو قیمتی زردوزی پر کھف ہوتا ہے۔ پیر شور = دیوانہ
شور سے بہرا ہوا۔ دیوارہ جو = دیوار دیوٹڈنے والا۔ جو یہاں امر کا
صیغہ ہے جستن سے۔ دیوار جو اسم فاعل ترکیبی ہے۔

ناگہان سن رنگ سے نہا پیکانے لگا	دل کہ دوق کاوش ناخن سے نہایت تھا
---------------------------------	----------------------------------

یہاں ناخن حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ ناخن مجازی مراد ہے۔ رنگ یعنی نظر
و طریقہ طور۔ پیکانے لگا کا فاعل دل ہے۔

نالہ دہین شب انداز اثر نایا تھا	تھا سپند بزم وصل غیر کو نیا تھا
---------------------------------	---------------------------------

پہلے مصرع کے یہہ معنی ہیں کہ رات کو نالہ دل میں اثر تھا اور نالہ دل غیر موثر تھا
مصرع دوم میں اثر نہونے کا ثبوت بیان کیا ہے اور اس مصرع کی ابتدا میں
کیونکہ کا لفظ سہرا ہے۔ اور اس مصرع ثانی کے یہہ معنی ہیں کہ وصال یار
سے غیر کامیاب تھا نہ کہ میں۔ مطلب یہہ ہے کہ دل میرا سپند بزم تھا ظاہر
ہے کہ سپند آگ پر بقیار ہوتا ہے اس سے یہہ کنایہ کیا کہ میرا دل بقیار
اور بیتاب تھا اور بقیاری کی وجہ یہہ تھی کہ وصل غیر کو دیکھتا تھا چونکہ وصل
یاد غیر کو حاصل تھا اور اس وجہ سے میرا دل بقیار تھا تو معلوم ہوا کہ نالہ دل

میں رات کو کچھ بستر نہیں تھا۔ اگر میری نالہ دل میں اثر ہوتا تو غیر کا سباب نہوتا۔ چونکہ سپند کو آتش پر ڈالنے سے چٹ چٹ کی آواز آتی ہے لہذا یہاں لفظ سپند نالہ دل کے ساتھ کمال مناسبت اور لطف رکھتا ہے سپند = کسی قسم کے بیج اور تخم میں جنکو نظر بد و فح کرنے کیلئے جلاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہندی کے بیجوں کو سپند کہتے ہیں ذرا سے تغیر میں مصرع ثانی فارسی بن گیا مصرع بد سپند بزم وصل غیر را بیتا ب بود۔

مقدم سید اب دل کیا نشاط آہنگ خانہ عاشق مگر ساز صد آہ بجا

نشاط آہنگ - یعنی خوشی کی الاپ رکھنے والا یعنی خوش و مسرور و شاد و آہنگ نشاط دار زندہ - یہ اسم صفت مرکب ہے اور یہ ترکیب خیال بند کی مختصر ہے۔ اہل سان ایسے تراکیب محدثہ سے احتراز کرتے ہیں مقدم = آنا - آمدن - ساز = ہاجہ کو کہتے ہیں - اس شعر میں کوئی معنوی خوبی نہیں ہے بلکہ سچا تکلف ہے۔ کیا = تعظیم کی واسطے آیا ہے۔ کیا نشاط آہنگ یعنی بہت نشاط آہنگ - دوسرے مصرع میں تھا کی جگہ بود لکھ دینے سے سالم مصرع فارسی بن گیا مصرع خانہ عاشق مگر ساز صد آہ اب بود - دیکھئے مرزا پر فارسی کقدر غالب ہے

نازلایا خاکستر نشینی کیا کہن پہلو اندیشہ وقف بستر بنجا بجا

یہ شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن جاتا ہے شعر نازش ایام خاک نشینی
چون کنم پہلو اندیشه وقف بستر سنجاب بود -

یا دکر دین کہ ہر اک حلقہ تیر دام | انتظار صید میں کہ دید بنجواستھا

یعنی کسی دن تو عاشقوں کی تلاش کرتا تھا اور تجھ کو عاشق نہیں ملتے تھے
اور آج یہ حال ہے کہ سیکڑوں عاشق تیرے موجود ہیں اور تجھ کو انکی
کچھ پروا نہیں ہے -

اب میں جہان اور ماتم یک شہر آرزو | تو راجو تو نے آئینہ مثال در تہا

یہ شعر پیچیدہ اور مشکل ہے اور طرز خیال بند ہی کا عمدہ نمونہ ہے
اس شعر کی شرح میں یہ بات بتانی چاہئے کہ ماتم کا ہیکو کرتا ہے
اور ماتم کرنے کی وجہ کیا ہے لفظ آرزو سے یہہ معلوم ہوتا ہے کہ
یہاں آئینہ سے قائل کا دل مراد ہے کہ جہی کو تو قائل ماتم کرتا ہے
یعنی اپنے دل کے ٹٹنے کی وجہ سے ماتم کرتا ہے اور دل بھی ایسا دل
جو آرزوؤں سے بھرا ہوا تھا مصرع دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ کا
سامضمون ہے - یک شہر آرزو = شہر کو بلا اضافت پڑھنا چاہئے
اسکے معنی میں آرزو بقدر ایک شہر کے - مراد کثرت آرزو سے ہے
اس قسم کے تراکیب خیال بندوں کے یعنی ناصر علی اور سیدل کے
کلام میں بہت مستعمل ہوتے ہیں بلکہ ان تراکیب کے بانی یہی لوگ ہیں -

اور = عطف ملازمہ ہے - یعنی مجھ کو لازم ہے کہ بہت ماتم کروں -

گلیوں میں ہیری نعش کو کہنے نہیں گشتن | جان دہ ہو ای سر بگزار تھا

کہ = یعنی کیونکہ - کاف تعلیل کا ہے - جان دادہ = مردہ ہوا
جان دادن یعنی مزا - مردن - نعش = جنازہ -

سوج سرت و وفا کا یہ چھال | ہر زہر مثل جو ہر تیغ آبدار تھا

میں شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بنگیا بیت سوج سرت و وفا
میں س حال ہر زہر مثل جو ہر تیغ آبدار بود + دیکھئے سیرا کی اردو
میں فارسی کس قدر ملی ہوئی ہے مگر ہمارے زمانہ میں ایسی اردو معیوب
و متروک ہے -

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو | آہ چاہنا اودھڑا آپ ہی حیران

مجاز اور حقیقت کے دونوں پہلو میں -

عشرت پارہ دل زخم تنہا کہانا | لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا

عشرت پارہ دل زخم تنہا خوردن - لذت ریش جگر غرق نمکدان بودن -
کہانے اور ہونے کی جگہ خوردن اور بودن کے لکھ دینے سے
سالم شعر فارسی بنگیا -

شب خارشوق ساقی رستخیز اندازہ تھا | تا محیط باد و صحنہ خمیازہ تھا

شب خارشوق ساقی رستخیز اندازہ بودہ تا محیط بادہ صورتحالہ خمیازہ بودہ
دونو مصرعون میں تھا کا مبتدا خار ہے۔ یہ شعر المعنی فی بطن الشاعر
کا مصداق ہے اور ذرا سے تغیر میں پورا فارسی ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا
کہ گویا خاص میز را بیدل کی زبان سے نکلا ہے بس اس شعر کی اس قدر
تعریف ہو سکتی ہے۔ اس شعر کو جو معنی چاہیں لگا دیں مگر الفاظ شعر سے
کوئی معنی معین و مشخص نہیں ہوتے۔ صورتحالہ یعنی تصویر خانہ

یک قدم و حشت سے در فتر مکان کھلا | جاہ اجزئی دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک قدم و حشت چو در سن فتر مکان کشودہ جاوہ اجزائی دو عالم دشت کا شیرازہ بود
شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا۔ مگر یہ فارسی ایرانی اور رومہ کے
مطابق نہیں ہے بلکہ بیدل اور ناصر علی کی فارسی خاص ہے۔ یک قدم
و حشت اور دو عالم دشت ایسے تراکیب ہیں جو اہل لسان کے کلام میں
نہیں آتے بلکہ رکیک اور لغو تراکیب ہیں۔ مختصر کا مقصود یک قدم
و حشت سے اندک و حشت اور دو عالم دشت سے بہت ویرانی ہے ان کیوں
کی صحت میں بہت کچھ تامل اور کلام ہے اہل لسان کے پاس یہ تراکیب
صحیح نہیں ہیں درحقیقت یہ شعر بھی بے معنی ہے مگر شارحین کو اختیار ہے
کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل سے جو معنی چاہیں بنا کر لگا دیں اور کہیں

یہی معنی مربوط ہیں بلکہ مقصود قائل یہی ہے مگر سخن شناس جانتا ہے کہ عقیدہ تمندی اور چیز ہے اور تحقیق اور چیز ہے۔

ملنے وشت خرامیہ لیلیٰ کو ہے خانہ مجنون صحر اگر دے دروازہ

ملنے وشت خرامی نامی لیلیٰ نیت کس خانہ مجنون صحر اگر دے دروازہ بود
شعر ذرا سے تغیر میں فارسی بن گیا مگر وشت خرامی اہل سان کی ترکیب
نہیں ہے اور نہ یہ لفظ اہل سان کے کلام میں آیا ہے۔

پوچھتے رسوائی انداز استغنا حسیں دست مرہون خنار حسن غارہ

انداز استغنا حسیں = یعنی طریقہ بے پروائی حسن حسن جمال کی بے پروائی
کا طریقہ = شدیعان رسوائی انداز استغنا حسیں دست
مرہون خنار حسن غارہ بود شعر تہوڑے سے تبدیل میں فارسی
ہو گیا۔ عاشق اگر بوسہ لیتا ہے تو بدنام اور رسوا ہوتا ہے کہ حسن معشوق
کو بگاڑ دیا۔ خنار اور غارہ موجب استغنا و بے پروائی حسیں ہوتی ہیں
جب کسی نے ان کو بگاڑ دیا تو ضرور بگاڑنے والے کی رسوائی ہو گئی یعنی
بے پروائی حسن کا یہ طریقہ ہے کہ عاشقوں کو بدنام کرتا ہے رسوائی
منسوب بہ عاشق ہے نہ حسن کیونکہ عاشق لوگ رسوا ہو کرتے ہیں۔

نالہ دل نے دے وراق نخت دل سار یادگار بازار اک یوان شیر مہتا

نالہ دل دادہ است وراقِ لختِ دل بیاو - یادگارِ نالہ یکِ یان بے شیرازہ
 بود - شعرِ ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا - میرزا صاحب پر فارسی بہت
 غالب ہے -

حضرت ناصح گروین بدولت فرما رہا ہے | کوئی مجھ کو بیہوش سمجھا دو کہ سمجھ جائیگی کیا

یعنی ہم اپنے کرتب اور اپنی عشق و عاشقی سے باز نہ آئیے اور اپنے کاموں
 ترک نہ کریں گے لہذا حضرت ناصح کی فہمائش اور تفہیم بجا اور غیر مفید ہے
 اور ان کی فہمائش کچھ موثر نہ ہوگی - یہہ رندانہ شعر ہے اور مضمون یہہ
 کہ ہم ناصح کی نصیحت کو نہیں سنتے -

ترے وعدہ پر جی ہم تو یحیٰں پوچھا جانا | کہ خوشی سے مر جاتے اگر اعتبار ہوتا

یعنی ایسا جان تیرے وعدہ پر ہم جئے تو وعدہ مذکور کو جھوٹا بنا کر جئے - اگر
 وعدہ مذکور کا ہم کو اعتبار ہوتا تو ہرگز ہم نہ جیتے - مصرع ثانی میں کیا حرب
 استفہام محذوف ہے یعنی کیا خوشی سے مر جاتے - یہہ استفہام توڑی
 ہے اور اس کے معنی یہہ ہیں کہ خوشی سے مر جاتے اور شادی مرگ ہو جاتے
 جانا - یعنی ایسا جان اور یہہ الف ندائیہ ہے - یہہ کامتار الیہ وعدہ
 دوسرے معنی یہہ ہیں کہ یہہ کامتار الیہ سالم جملہ ہے یعنی ترے وعدہ پر
 جئے ہم سالم جملہ مرگتار الیہ ہے - اور جان امر کا پھینک دینے سے
 جان جھوٹ یعنی سچ بھلا کرنا اور جھوٹ جانا -

ہوس کی تہ نشا کا کار کیا کیا نہو مرنے تو جینے کا مزا کیا

یعنی ہوس جو عشق کی ضد ہے اسکو معشوق کی محبت میں نشا کا کار اور خوشی و مسرت بہت کچھ حاصل ہے مگر یہ جانتے ہی نہیں کہ عشق و عاشقی مرنے اور جان دینے کو کہتے ہیں اور عشق و عاشقی کا انجام ہلاکت ہے۔ ہم معشوق پر فدا ہو جائیں تو اسوقت ہم نے جینے کا مزہ حاصل کیا ورنہ یوں سمجھئے کہ زندگی بے لطف گزری معشوق پر فدا ہو جانا گو یا زندگی کا لطف اٹھانا ہو اگر بار بار پر فدا نہوے تو جینے کا مزہ حاصل نہ کیا۔ ہوس کو چاہئے کہ اول اس مشکل کو سمجھ لے اور پھر نشا کا کار میں مصروف ہو ہلاکت کو معلوم کرنے سے پیشتر نشا ط کرنا بے فائدہ ہے بلکہ وہ جسکو نشا ط سمجھ رہی ہے حقیقت وہ نشا ط ہی نہیں ہے۔ شاعر و ن نے اپنی اصطلاح میں رقیب کی محبت کو طعن و طنز کی راہ سے ہوس قرار دیا ہے اور دراصل عشق کی ضد ہوس ہے۔

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا کہان تک اسے سیرا پانا کر کیا کیا

تجاہل پیشگی = تجاہل پیشہ ہونا۔ تجاہل پیشہ بننا۔ تجاہل پیشگی کی باری تجاہل جو اس لفظ کے آخر میں ہے باری مصدری ہے سیرا پانا ناز = سر سے پاؤں تک ناز۔ یعنی ایسا معشوق جو سر سے لیکر پاؤں تک ناز ہی ناز ہی سیرا پا کا الف الف انحصار ہے بمعنی تاسی انتہائی اور سیرا پانا ناز معشوق کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

نواز شہ بے بیجا دیکھتا ہوں شکایتیں رنگیں کا گلا کیا

یعنی چونکہ آپ غیروں کے ساتھ بیجا نواز شہ کرتے ہیں لہذا میں آپ کی شکایتیں کرتا ہوں پس آپ میری شکایتوں کا گلہ نہ کیجئے کیونکہ آپ خود بائی مہانی میں اگر آپ غیروں کے ساتھ بیجا نواز شہ کرتے تو میں بھی آپ کی شکایتیں کرتا

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تغافل سے تمکین آزما کیا

یعنی میں تغافل سے تمکین آزما نہیں چاہتا بلکہ نگاہ بے محابا چاہتا ہوں۔

فروع شعلہ خساک نفس ہے ہوس کو پاس نہاموس وفا کیا

اک نفس = ایک دم۔ ذرا سا وقت فروع = روشنی خس = گہانس پاس = لحاظ۔ ناموس = شرم و حیا ہوس = عشق کی ضد ہے۔

دماغ عطیریں نہیں ہے غم آوارگی مائے صبا کیا

لفظ پیریں اس شعر میں اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ صنعت بلیغ استعمال کی ہے اور قصہ یوسف علیہ السلام متعلق پیریں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ ہم کو اپنے معشوق کے عطیریں کا دماغ نہیں ہے یعنی ہم بہت نازک دماغ ہیں عطیر کے سونگھنے سے نزلہ کی طرح کب ہو جاتی ہے۔

دل ہر قطرہ ہے سازنا البحر	ہم اوسکے مین ہمارا پوچھنا کیا
---------------------------	-------------------------------

یعنی ہم بھی دریا مین یا یون کہنے کہ ہم بھی انا الحق کے مقام مین ہیں۔
یہ علم تصوف کا بہت شہہ اور بہت روزگار ہوا مضمون ہے۔

سن تجا نگر جنس و فاسن	شکست قیمت دل کی صدا کیا
-----------------------	-------------------------

شکست قیمت یعنی قیمت کا گھٹ جانا اور قیمت کی کمی۔ یہ بات ظاہر ہے
کہ شکست قیمت کی کوئی صدا نہیں ہوتی۔ اگر شیشہ یا اور کوئی شے مثل
اوسکے پتھر یا زمین پر پینک یا بجاسے یا ٹیک بجاسے تو وہ ضرور آواز
دیگی مگر شکست قیمت اوس کے برخلاف ہے یعنی بے صدا ہے۔ اب
شاعر کہتا ہے کہ اسے معشوق قیمت دل جو بے صدا ہے اُسکو توڑ کیونکہ
اُسکے توڑنے مین کوئی لطف نہیں اور اُسکی شکست سے سامعہ نوازی نہیں
ہوتی۔ حاصل یہ کہ قیمت دل ایک حقیر شے ہے۔ شکست کے قابل نہیں
قیمت دل کو توڑا تو کیا توڑا۔ مولانا ذوق رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں کہ کسی بکس کو اسے بیدا کر مارا تو کیا مارا؟
جو آپ بھی مر رہا ہو اُسکو گر مارا تو کیا مارا؟ سن سن = بہتر کرار
تاکید کے لئے ہے۔

کیا کس نے جگر دار کی دعویٰ	شکست خاطر عاشر قیام کیا
----------------------------	-------------------------

جگر داری = بہادری و شجاعت - شکیب = صبر - خاطر = دل -
بھلا = حرف ایجاب ہے اور فارسی میں اسکا ترجمہ خیر ہوتا ہے -

سبکو مقبول ہر دعویٰ تری کیا نیکا | رو برو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا

سیما = پیشانی کو کہتے ہیں جسکی پیشانی صاف اور شفاف ہو اسکو آئینہ
سیما کہیں گے۔ آئینہ سیما یعنی پیشانی آئینہ دارندہ یعنی صاف شفاف
پیشانی والا اگر یہ لفظ خاصکر معشوقوں کی صفت میں مستعمل ہوتا ہے
بلکہ معشوق کے ناموں سے ایک نام ہے۔ بت آئینہ سیما مناسبت ہے
یعنی اسے بت آئینہ سیما کوئی تیرا مقابل نہوا حسن و جمال میں۔ یہ بھی بتاتا ہے
کہ اسے معشوق کوئی بت آئینہ سیما تیرے مقابل نہوا۔ دو پہلو میں اور یہ
دو پہلو کوئی کو ملا کر اور علیحدہ پڑھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی کو ملا کر
پڑھیں تو معشوق مخاطب ہوگا اور کوئی بت آئینہ سیما مبتدا ہوگا اور جو کوئی کو
علیحدہ پڑھیں تو بت آئینہ سیما مخاطب ہوگا اور صرف کوئی مبتدا ہوگا۔ ستر
ثانی میں کوئی کے معنی کوئی حسین اور کوئی معشوق کے ہون گے بت =
موصوف و معروف یہاں مجازی معنی یعنی معشوق مراد ہیں۔

کم نہیں نازش نہ نامی چشم خوبان | تر بیمار پڑا کیا ہے گرا چہا نہ ہوا

یعنی یہ نازش کچھ کم نہیں ہے کہ ہم بھی چشم بیمار کے ہننام میں سبب
بیماری عشق کے نازش = ناز کرنا۔ یہ حاصل بالمصدر ہے نازیدن کا

حسینوں کے آنکھ کی صفت بیمار آتی ہے اور معشوقوں کی آنکھ کو چشم بیمار کہتے ہیں جب ہم تیرے عشق میں بیمار ہو گئے تو لفظ بیمار ہمارے نام پر بھی عائد ہوا اور بسبب بیماری عشق کے ہم کو بھی لوگ بیمار کہنے لگے اور بیمار لکھنے لگے ظاہر ہے کہ جو بیمار ہو گا اس کو بیمار کہیں گے۔ یہاں سے شاعر نے یہ شاغرانہ مضمون نکالا کہ ہم بھی بسبب بیماری عشق کے چشم خیم بان کے ہمنام ہیں یعنی لوگ ہم کو بھی فلان معشوق کے عشق کا بیمار کہتے ہیں جیسے معشوق کو آنکھوں کو بیمار کہا کرتے ہیں لہذا ہم اس بات پر نازش اور فخر کرتے ہیں کہ ہم چشم خیم بان کے ہمنام ہیں اور اسی واسطے تندرست ہونا نہیں چاہتے بلکہ یہ خواہش ہے کہ ہمیشہ بیمار ہی رہیں تاکہ ہمنامی اور پھر اُس پر فخر حاصل رہے یہاں یہ بات جو نازک خیالی کے متعلق ہے جانتی ضرور ہے کہ ہمنامی پر فخر ہو سکتا ہے اور اسی وجہ سے لوگ اچھے اور عمدہ نام اور بربر گون کے نام رکھا کرتے ہیں اور شریعت میں بھی یہ حکم آیا ہے کہ اولاد کے اچھے نام رکھا کرو تاکہ بُرے ناموں سے اُن کو رنج اور اذیت نہ پہنچے۔

اس ہم و جنوں جولان گدا بے واپس	کہ یہ سیرِ بھرگانِ آبِ و شیتِ خارا پنا
--------------------------------	--

جنون جولان = یعنی جولان جنون وارندہ۔ جنون کا جولان رکھنے والا جولان کے معنی دوڑنے اور دوڑانے کے ہیں۔ جنون جولان کے معنی بہت دوڑنے والے کے ہیں مگر یہ ترکیب اہل لسان کی نہیں ہے بلکہ

ہندیوں اور خیا بندوں کی ساختہ و پرداختہ ہے۔ اہل سان کے کلام
میں یہ ترکیب نہیں آئی لہذا اسکی صحت میں تاہل اور شبہ ہے۔ سہر خجہ =
یہاں اس لفظ میں سر زائد ہے۔

پے نظر کرم تحفہ شرم نارسانی کا | بخون غلطیدہ رنگ عوی پارسائی کا

یعنی سوزنگے خون میں لوٹا ہوا پارسائی کا دعویٰ بخشش آہی کی نذر کیواسطے
خجلت ناتامی کا ہدیہ ہے۔ و توقع صراحت میں جو پریشان جوابات
ہے میں نے اُسکو اسطرح ترتیب دیا ہے درحقیقت میری رائے میں و توقع
صراحت ایسی کتاب ہے کہ اُسکے نکات اور دقائق سے طالبان شعور
سخن فیض یاب و خوشہ چین ہو سکتے ہیں۔ مقصود قائل یہ ہے کہ ہشتم
و حیا کیو جسے پارسائی کا دعویٰ نہیں کرتے۔ گویا پارسائی کا دعویٰ کرنا
بے شرمی ہے۔ دعویٰ پارسائی کا سوزنگے خون میں لوٹا ہوا ہے
یعنی ہم دعویٰ پارسائی کا نہیں کرتے کیونکہ ہمارا پارسائی کا دعویٰ
شہید ہو گیا اور باقی نہیں رہا اور دعویٰ باقی نہیں رہنے کیوجہ شرم
نارسانی ہے حاصل یہ کہ سب شرم و خجالت کے ہم دعویٰ پارسائی کا
نہیں کرتے۔ اس شعر میں فارسیت بہت غالب ہے اور خاص منہز بیدل
کی طرز کا شعر ہے میرزا صاحب نے بیدل کا اس قدر تتبع کیا ہے کہ دونوں
کے کلام میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ درحقیقت تتبع اسکو کہتے ہیں۔

نہ چوین تباہ و سستہ بیوفائی کا | بہر صد نظر ثابت ہے عوی پارسائی کا

یعنی معشوق ہمارا پاکدامن ہے مگر اُس میں عیب ہے تو صرف یہ بتا دیا کہ بیوقوف
اور اسی وجہ سے یعنی بیوقوفی سے رسوا ہو گیا ہے مگر اُسکی پاکدامنی میں
کوئی شبہ نہیں ہے چشم کی تشبیہ مہر کے ساتھ دی جاتی ہے اور یہاں
قاعدہ مجاز مرسل کے لحاظ سے نظر بمعنی چشم متعلیٰ ہوا ہے۔

زکات حسن و اوجلوہ بنیش کہ مہر سا چرائے خانہ دریش ہو کا گدائی کا

کاسہ گدائی سے مراد چشم ہے کیونکہ آنکھ کی تشبیہ کاسہ گدائی کے ساتھ
دی جاتی ہے اور وجہ شبہ یہ ہے کہ آنکھ میں عمق ہوتا ہے اور اکثر آنکھ
بادامی شکل کی ہوتی ہے اور کاسہ گدائی میں بھی عمق ہوتا ہے اور اکثر
کاسہ گدائی بھی تراش و خراش میں بادام کا ہمشکل ہوتا ہے۔ زکات حسن و
جلوہ بنیش بھی اس معنی کے مدد و معاون ہیں کہ کاسہ گدائی بمعنی دیدہ و چشم
آیا ہے بلکہ کاسہ گدائی کے مجازی معنی یہی آنکھ کے ہیں ان قرائن کی
بھی کوئی ضرورت نہیں۔ خانہ دریش سے مراد قابل کا تن اور ہم
ہے۔ جلوہ بنیش سے مراد معشوق کے چہرے کے معنی یہ ہیں کہ اسے
معشوق تو اپنا حسن و جمال و ہر لحاظ سے تاکہ ہماری آنکھیں روشن اور
منور ہو جائیں آفتاب کی طرح مہر آسا۔ آفتاب کی طرح مہر آسا مصرع ثانی کے
متعلق ہے جو مصرع اول میں آگیا ہے چرائے ہو نا۔ اس شعر میں اس کے
مجازی معنی روشن ہونیکے ہیں۔ مصرع ثانی کے یہ معنی ہیں کہ ہماری
آنکھ روشن ہو جائے۔

گرنگاہ گرم فرماتی رہے تعلیم خطبا
شعلہ خشن جیسے نرین ہونیکا

نگاہ گرم = چشم گرم کا مترادف ہے اور چشم گرم محبت و عنایت و مہربانی کو کہتے ہیں مگر چشم گرم یا نگاہ گرم فہر اور غضب کے معنوں پر بھی آسکتا ہے۔ کیونکہ لفظ گرم بمعنی اختلاط اور بمعنی غضب دونوں معنوں میں آیا ہے۔ چنانچہ سلیم کا شعر ہے **ع** عمر خود رفت و بہان میگاہ با ما مگر در قیامت گرم خواہی شد بتا چون آفتاب یعنی اے معشوق شاید تو قیامت کے دن ہمارے ساتھ اختلاط اور گرمجوشی اور محبت کریگا۔ تیرا نگاہ نہ پن ہمارے ساتھ شاید قیامت کے روز ہوگا۔ یہ شعر سلیم کے معنی میں نہ شعر غالب کے۔

در دست کشد و انہوا
مین نہ اچہا ہوا برا نہوا

مین نہ اچہا ہوا = یعنی مین اچہا نہوا۔ برا نہوا = یہہ برا نہوا۔ یہہ محذوف ہے میرا چہا نہونا یعنی میرا تندرست نہونا اور صحت نہانا برا نہوا مین جو بیمار اور علیل رہا یہہ اچہا نہوا۔ کیونکہ تندرست ہوتا تو دو اکی منت اٹھانی پڑتی۔ حاصل یہہ کہ کسی کا احسان اٹھانا بڑی بات ہے۔ احسان نہ اٹھایا چاہیے۔ حضرت قبلہ گاہی بولانا مولوی والہ مرحوم و مغفور اس شعر کی مختصر شرح جو و توق صراحت مین سندر ج نہوی تھی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ کیونکہ ممنون دوا ہونا اور احسان دوا کا اٹھانا بہت برا تھا

جمع کرتے ہو کیوں قیون کو	اک تماشہ ہوا گلانہ ہوا
--------------------------	------------------------

گویا مرزا صاحب اپنی بدنامی و رسوائی سے ڈرتے ہیں اور اس لئے قیون کا اجماع نہیں چاہتے۔ گلہ۔ شکوہ۔

ہم کہاں قسم آئے جانے جا میں	تو ہی جہنم آئے زمانہ ہوا
-----------------------------	--------------------------

خجھر آئے مانا = کنایہ سے قتل کرنے سے۔ قسمت آئے اس طرح سے کہ کسی معشوق کے ہاتھ سے قتل ہو جائیں تاکہ آزار عشق سے نجات ملے اور درجہ شہادت حاصل ہو مگر قاتل کی بد بختی اس قدر بڑھ ہی ہوئی ہے کہ کوئی قاتل ہی نہیں ملتا۔ یہ شاعرانہ مضمون ہے نہ کہ حقیقت حال۔ ہی = حصر کے لئے آتا ہے

سے خبر گرم آنے کی	آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا
-------------------	---------------------------

مرزا اس شعر میں اپنا دکھڑا روتے ہیں اور اپنی محتاجی و مفلسی ظاہر کرتے ہیں اس شعر کا یہ ایہ قابل تعریف ہے۔ کسی صاحب نے اس شعر کے باب میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ گھر میں بوریانہ ہوا تو کیا سچ ہے۔ کہ سیون پڑھیں گے میں نے یہ جواب دیا کہ سبب محتاجی و مفلسی کے بوریانہ جو ارزان چیز ہے نہیں لے سکتے ہیں اور مٹی پر بیٹھنا پڑے تو کہ سپان جو بہ نسبت بوریانے کے بہت گران قیمت ہوتے ہیں کہاں سے آئیں گے۔

جان دی۔ دی ہوئی ایسی تھی	حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
--------------------------	-------------------------------

یعنے اگرچہ ہم نے راہ خدا میں یا راہ معشوق میں اپنی جان دی اور مر گئے تو پھر یہ کو نسا بڑا کام ہوا کیونکہ جان تو اُسی کی دی ہوئی تھی یعنی جان خدا کا یا معشوق مجازی کا مال تھا لہذا ہم نے جو جان دی تو کوئی بڑا کام نہیں کیا بلکہ ہم ادائی حق میں قاصر رہے۔ اُسی کی = اپنے خدا سے غرور جل کی یا معشوق مجازی کی۔ بہر حال دونوں پہلو میں جان دی = یعنی ہم نے جان دی یہاں ہم فاعل خود فاعل ہے۔ جان دینا = یعنی مرجانا۔ ہلاک ہو جانا۔ دوسرے معنی جان عطا کرنا جان بخش دینا۔ پہلے جان دینے کے معنی میں مرنا اور دوسرے جان دینے کے معنی میں جان عطا کرنا (ف) جان بخشیدن۔ اس شعر میں لطف یہ ہے کہ قائل نے ایک مصدر یعنی (جان دینا) کے دو جدا گانہ علیہ معنی استعمال کئے ہیں۔

کام گرگ کیا روانہ ہوا

زخم گردب گیا لہو نہ تھما

اس شعر حضرت قبلہ گاہی مولانا والہ مرحوم و مغفور نے ایک اعتراض کیا تھا جو وثوق صراحت میں سہو اور جہنم ہوا۔ اعتراض یہ ہے۔ (دبے ہوئے زخم کا جیسے لہو نہ تھما یعنی لہو جاری ہے اسبطح زخم کے ہوئے مطلب کارواہو نا بھی چاہئے تھا۔ یہہ خلاف کیونکر؟) میری رائے ناقص میں بیشک یہہ اعتراض اسوقت قائم رہ سکتا ہے جب کہ رواقیہ اور نہوار و لطف مان لیجائے

مگر جب اسکو قافیہ معمول قرار دیا جائے اور روانہ معنی جاری اور ہوا ردیف قرار دیا جائے تو اعتراض وارد نہوگا اور درحقیقت اعتراض صورت اول ہی میں ہے نہ کہ صورت ثانی میں۔ یعنی کام اگر رک گیا تو جائے کہ جاری ہو گیا۔ یہ کمال مایوسی و ناامیدی کی بات ہے یا کمال استقلال اور ثابت قدمی کی تفسیر ہے کہ کام کے بند ہو جانے کو بھی اپنی ہمت اور استقلال کے مقابلے میں جاری ہو جانا سمجھتے ہیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ زخم کے دب جانے سے لہو نہیں ٹھمتتا اور لہو برابر جاری رہتا ہے اگرچہ زخم دب جائے مگر اسکو دیکھ کر یہ مضمون نکالا کہ کام رک جائے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ بند ہو گیا بلکہ یوں جانے کہ جاری ہو گیا۔ فارسی میں ضرب المثل ہے مصرع صدر شود کثادہ چوبثہ شود درے * اس شعر کا مضمون اس ضرب المثل کے قریب قریب واقع ہوا ہے۔ قرینہ یہ کہ ایک جگہ کام رک گیا تو دوسری جگہ جاری ہو جائیگا۔

رہزنی ہے کہ دستانی ہی | یکے دانستان روانہ ہوا

قافیہ معمول سے شعر میں کیسے قدرت اور اشکال اور حسن پیدا ہو جاتا ہے اور قافیہ معمول جو دلچسپ اور دلکش ہو شکل سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے اکثر شعرا نے نامدار قافیہ معمول پر مرتبے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ستم از بادہ شبانہ ہنوز : ساقی مانرفت خانہ ہنوز

میکشی و بغمزہ میگوئی توبہ کردی ز عشق یا نہ ہنوز
یا نہ = قافیہ معمول ہے اور شمس الدین فقیر رح مصنف حدائق البلاغۃ
فرماتے ہیں - رباعی -

گر شمع نہ دلجوئی پروانہ کند بر آتش و زرد پر پروانہ کند
فریاد شمع من کہ در آتش عشق پروانہ صفت سوزم و پروانہ کند
پروانہ نکند = قافیہ معمول ہے اور لطف یہ کہ ایک تو پروانہ نکردن یعنی پر نہ ہونا
پر نہ کشادن اور دوسرا پروانہ نکردن یعنی پروانہ کرنی یعنی بے پروائی
اور بے اعتنائی کرنا -

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرا نہوا

قائل نے آپ کو شخص غیر قرار دیا ہے جیسا کہ فارسی کے شعرا کا دستور ہے
اور فرضی شخص غیر سے کہتا ہے کہ اسے صاحب آج غالب تو غزل سرا
نہوا لہذا محفل سخن ہے لطف و بے رونق ہے - جہاں غالب غزل پڑھتا ہی
وہاں لطف سخن حاصل ہوتا ہے - خیر - آج آپ ہی کچھ پڑھئے کیونکہ غالب
کے بعد آپ کا نمبر ہے اور غالب کے بعد سب کو آپ کے کلام میں لطف آسمان
مطلب یہ کہ میں اپنے معاصرون اور معطرون میں سب سے بہتر ہوں اور
اس مقطع میں معاصرون پر طعن و تعریض کیا ہے کہ وہ مجھ سے درجہ میں
گہتر ہیں - سالم غزل پڑھنے کے بعد یہ قول کہ (کچھ تو پڑھئے) گناہ ہی
جس سے طنز و تعریض دوسرے شعرا پر مقصود ہے - غزل سرا =

غزل پڑھنے والا - نخلخوان -

گلہ شوق کو دلین بھی تنگی جا کا گہرین محو ہوا اضطرابِ دریا کا

شاعر نے اس شعر میں شوق کو دریا سے اور دل کو گہرے تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے کہ دریا یعنی شوق کو گہرین یعنی دل میں محو ہو گیا - باوجود شوق تنگی جا کا گلہ مند سے حالانکہ دل کی وسعت معلوم و مشہور ہے کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِينَ عَرْضُ عَرْشِ اللَّهِ تَعَالَى - عرش کی وسعت تمام آسمانوں سے بڑھ کر ہے - مگر یہی گلہ باقی ہے - تو یہ غضب کا شوق ہوا - اگرچہ سچا موتی جُستہ اور مقدار میں چھوٹی چیز ہوتا ہے مگر قیمت میں گران ہوتا ہے اسی طرح دل اگرچہ بظاہر ایک ذرا سی چیز ہے مگر کمالات بالائی و روحانی کے لحاظ سے ایک بہت بڑی اور وسیع شے سمجھی جاتی ہے - اس شوق کو تمام زمین و آسمان کی گنجائش کافی و مکتفی نہو گی - قائل کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا شوق بحد و بے حساب ہے - اس شعر میں اپنے شوق کی وسعت و فراخی کو بیان کرتا ہے - مگر مرزا کا یہ طرز بیان اہل فصاحت کے پسند نہیں ہو سکتا - دوسرے معنی اس طرح ہو سکتے ہیں کہ پہلا مصرع سالم استفہام انکاری مان لیا جاوے یعنی شوق کو دلین بھی تنگی جا کا گلہ نہیں ہے کیونکہ دل بحیثیت جُستہ ایک چھوٹی سی چیز اور گہرے تشابہ ہے جسطرح دریا کا اضطراب کو گہرین نہیں ہوتا اسی طرح شوق کا گلہ دل میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے شوق و دلین فنا ہو گیا - اضطراب دریا تلاطم و امواج سے

مراد ہے۔ مگر ان معنوں کو (بھی) کا لفظ مانع و مزاحم ہے۔ یا (بھی) کو
 خشو سببہ لیجئے کہ وزن کے لئے آگیا ہے اور معنا کوئی تعلق نہیں رکھتا مگر
 اس صورت میں خشو قبیح ہو گا جو عیب ہے۔ نحو ہونا = فنا ہونا۔

یہ جانتا ہوں کہ تو اوپر اسخ مکتوب | مگر ستم زدہ ہوں فوق خامہ فرسا کا

یعنی ذوق خامہ فرسا کی وجہ سے کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا ہوں اگرچہ جواب
 نہ آئے۔ ذوق خامہ فرسا وہ ذوق ہے جو خامہ فرسانی کرے اور کچھ
 نہ کچھ لکھو اسے۔ ذوق موصوف اور خامہ فرسا اسکی صفت ہے۔ خامہ
 فرسا اسم فاعل ترکیبی ہے یعنی فرسا نیدہ خامہ۔ قلم گھسانے والا۔ ظاہر ہے
 کہ لکھنے سے قلم گھس جاتا اور فرسودہ ہو جاتا ہے۔ اور۔ استبعاد
 کیلئے ہے یعنی یہ بات بعید ہے کہ تو پاسخ مکتوب لکھے۔

نغم وراق میں تکلیف سیراز ندو | مجھے دماغ نہیں خندہ نایب کا

مجھے دماغ نہیں = یہ فارسی محاورے یعنی (دماغ نذارم) کا ترجمہ ہے
 دماغ نذارم یعنی مجھ کو قوت شائستہ صحیحہ نہیں ہے

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں | کہے ہی ہرین مگو چشم بنیا کا

یعنی با آنکہ ہرین مگو چشم بنیا کا کام کرتا ہے مگر تاہم محرمی جمال حقیقی یا
 مجازی سے محروم ہوں یعنی دیدار میسر نہیں۔ محرمی = نزدیکی واقفکاری

کو = بمعنی برائے۔ کیلئے۔ ترسنا = کسی چیز کے لئے حد سے زیادہ
خواہش کرنا۔ خواہش مند ہونا۔ کرے ہے اب متروک ہے اسکی جگہ
مین کرتا ہے کہین گے

دل کو پہلے ہی ناز واداسے بیٹھے | ہمیں دماغ کہاں جس کے تقاضا کا

تقاضا اسم غیر سالم ہے مگر مرانے اسے سالم باندھا ہے۔ حسن کے تقاضے
کا چاہئے تھا۔ ہمیں دماغ کہاں یعنی ہمیں دماغ نہیں ہے۔

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے | مری گاہ میں ہی جمع مخرج دیا کا

یعنی گریہ بمقدار دریا کے ہے۔ گریہ میں مبالغہ کیا ہے۔
بمقدار = اسمین باموافقت کیلئے ہے یعنی موافق مقدار۔ مطلب یہ کہ
گریہ حسرت دل سے بڑھ کر ہے اور گریہ کی مقدار بمقدار دریا کے ہے
نہ بمقدار حسرت دل کے۔ کیونکہ دل چھوٹی چیز ہے اور دریا تمام دنیا کو
گہیرا ہوا ہے۔

قطرہ فی لبکہ حیرت نفس رسوا | خط جامی سرسبز شستہ گوہر ہوا

یعنی معشوق نے جام شراب جیسا پیئے منہ سے لگا یا تو اس کے حسن سے
شراب کو اسقدر حیرت ہوئی کہ ہر ایک قطرہ شراب ایک ایک گوہر بن گیا۔
گوہر کیلئے رشتہ چاہئے تھا۔ شاعر نے خط جام کو رشتہ قرار دیا ہے

یہ شعر نہایت لطیف اور مشکل و رنازک خیالی کا عمدہ نمونہ ہے۔
 حیرت سے اشیای سیال کا منجمد ہو جانا اور چیز ہمارے روان کی رفتار
 بند ہو جانا ایک ایسا مضمون ہے جسکو شعرا سے نازک خیال نے کئی طرح
 اور کثرت سے باندھا ہے۔ نفس پرور = یعنی روح پرور۔ جان پرور
 اس شعر میں ہر اس مرکب کا لفظ حشو اور زائد ہے۔ حیرت سے یعنی حسن و جمال
 معشوق کی حیرت سے یا لب معشوق کی حیرت سے بہر حال دونوں معنی
 مربوط ہیں۔

اعتبار عشق کی خاکہ خیزانی دیکھنا	غیر نے کئی لیکن خفا مجھ پر ہوا
----------------------------------	--------------------------------

غیر نے انہی یعنی معشوق نے سمجھا کہ میں نے آہ کی لہذا مجھ پر خفا ہوا حالانکہ
 آہ غیر نے کی ہے مگر چونکہ عاشقی میں سیرا اعتبار ہو گیا ہے لہذا غیر کی آہ
 کو میری آہ تصور کرتا ہے۔

جب بتقریب یار نے محبان ندھا	پیش شوق سے ہر پہا کر لانا ندھا
-----------------------------	--------------------------------

یعنی پیش شوق نے ہدائی کے خیال سے دلکھ بید پریشان کر دیا۔ ذروں کو
 دل باندھنا کنایہ ہے دل کے پریشان و مضطرب ہونے سے محفل =
 ہودج۔ محفل باندھنا = محفل بستن کا ترجمہ ہے۔ لفظ محفل نہ کر ہے

ابن پیش نے بھرت کردہ شوخی ناز	جو ہر آئینہ کو طوطی سبیل باندھا
-------------------------------	---------------------------------

یعنی شوخی سے حیرت کو تبدیل باضطراب کر دیا۔ حالانکہ حیرت غیر متحرک
شے ہے۔

یاس و امید کے یک بعد دیگرے یا ننگا | بحرِ نہایتِ طاسمِ اسان بان بڑھا

سوال کر نیوالے کو دو باتیں یعنی یاس و امید ہوتی ہیں یعنی یہاں یاسی یہی
ہوتی ہے کہ میرا سوال رد ہو جائیگا اور یہ امید بھی ہوتی ہے کہ میرا سوال
قبول ہو جائیگا۔ سوال کر نیوالے کو ہرگز اس بات کا یقین نہ کرنا چاہئے
کہ میرا سوال بالضرور قبول ہو جائیگا یا رد ہو جائیگا کیونکہ رد و قبول
دو مسروں کے ماتھے میں ہے۔ اور سائل کا کام صرف سوال کرنے کا ہے
اس شعر میں یک بعد دیگرے میدان کی ترکیب محلِ تامل ہے کیونکہ یہاں
کے اہلِ سان کی ترکیب نہیں ہے۔ یہ شعر بے معنی معلوم ہوتا ہے
یوں شارحین جو معنی چاہیں لگا دیں مگر مضمون خیر شعر نہیں ہے۔

دور ماندگی میں غالبِ بہ بن تو جا | بہت تیرے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اب رشتہ میں گرہ پڑ گئے ہیں مگر ناخن گرہ
کشا نہیں ہے اور ناخن گرہ کشا اُس زمانہ میں تھا جبکہ رشتہ بے گرہ تھا۔
دور ماندگی = عاجزی - ناچاری۔

بعد یک سرعہ بالوقتِ بارے | کاش رضوان بھی میرا کا دریاں بہتا

ایک عمر درع = یعنی ورع ایک عمر - مقلوب الت ترکیب ہے۔ عمر کو بغیر اضافت کے پڑھنا چاہئے۔ ایک عمر درع یعنی ایک مدت کا زہد و تقویٰ۔ فضیلت اس طرح کہین گے کہ زہد بسیار یا زہد شاق - مرزا نے مرزا بیدل و مرزا صر علی کی تقلید سے ایک عمر درع کہا ہے۔ یہ ترکیب اور ایسے تراکیب ہل سان کے پاس محض لغو اور تکلف لا طایل مانے جاتے ہیں۔ مرزا بیدل اور شیخ ناصر علی اور مرزا غالب ایک وضع کے تین سواریں جو اپنی چال میں برابر چلے جاتے ہیں۔ ورع = بختین زہد و پرہیزگاری۔ بار دینا = یعنی آمد و رفت کی اجازت دینا۔ ہائے = کلمہ ایجاب ہے۔

عمر سے پہلے جو عمر کیا کے کہنے کا
نہو اگرچہ اس سے تو زانو پر ہوتا

یہ کلام سر کہنے سے پہلے کا ہے یعنی شاعر کا یہ کلام بالفعل نہیں ہے بلکہ بالقوہ ہے۔

ہوئی یاد کہ غالب کیا پڑا ہے
وہ ہر کبات پر کہنا یوں کہ ہوتا تو کیا ہوتا

کیا = تعجب کیونکہ یہ ہے یعنی غالب نے یاد کیا مگر میں اس کی آرزو میں اور میں یاد آتی ہیں کہ وہ ہر ایک بات پر کہا کرتا تھا کہ ایسا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا یعنی سرکار انگریزی کی طرف سے پیشن جاری ہو جاتی یا بادشاہ دہلی کے پاس سے سرہر کا صلہ ملتا یا کلکتہ میں استاد کی کاسک بیٹھ جاتا انخرض اب اس کی خواہشات یاد آتے ہیں اور افسوس ہوتا ہے۔ قائل نے یہاں اپنے کو

شخص غیر قرار دیا ہے۔ اور یہ فارسی وارد و مین درست ہے۔ قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اُس کے دوست اور احباب اُسکی نیکیاں اور نیک خواہشات اور اچھی باتیں یاد کر کے افسوس کرتے ہیں اور اُس اوٹکا نشانہ ہوتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُس میت کا مرتبہ بلند کرے اور دنیا میں جو محرومی ہوئی ہے اسکا بدلہ آخرت میں ملے

ایک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا	یاں جاؤ بھی قلیلہ لالہ کو داغ کا
--------------------------------	----------------------------------

اس شعر کو بمثل کامل بمعنی کہہ سکتے ہیں۔ یہاں مصنف کا طائر خیال اس قدر بلند ہوا ہے کہ نظروں سے غائب ہو گیا ہے گویا معدوم و فنا ہو گیا ہے بہر حال نہایت خوض و غور کے بعد یہ معنی میرے ذہن میں آتے ہیں کہ شاید اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی کا مضمون لکھا ہے یعنی اہل دنیا کی عبرت پذیری اور نصیحت یابی کے لئے باغ کی زمین کا ایک ذرہ بیکار نہیں ہے باغ میں جو راستہ ہے جیسے لوگ خوشی خوشی سے باغ کی سیر کے مزے اُڑاتے ہوئے چلتے پھرتے ہیں اگر غور کیجئے تو یہ جادہ داغ لالہ کا قلیلہ ہے یعنی یہ جادہ اس بات کو روشن کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ دنیا عیش و عشرت کی جگہ نہیں ہے بلکہ عشرت پرستی دنیا کا حاصل داغ ہے اور داغ ہی خاص لالہ کا داغ جو کبھی منقطع اور علیحدہ ہو نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ داغ لالہ ہمیشہ لالہ کے ساتھ ہی رہتا ہے اور لالہ جالانگہ باغ میں مگر داغ ادا رہے اور بہ طرفہ ماجرا ہے کہ جو شب و روز باغ میں جو عیش

وعشرت کی جگہ ہے۔ زہے اور پہرا خدا رہی ہو۔ آخر اس داغدار کی کوئی وجہ
خاص ہوگی۔ فقیلہ روشنی کے لئے ہوتا ہے اور فقیلہ سے تاریکی دور
ہوتی ہے اور وہ تاریکی میں اشیا کو دکھاتا ہے۔ یہاں فقیلہ سے مراد
فقیلہ روشن ہے نہ کہ فقیلہ خاموش۔ مطلب یہ کہ دنیا بے شباب ہے
اور عیش و عشرت کی جگہ نہیں۔ دیکھو لالہ جو باغ میں ہے وہ خود داغدار
ہے اور باغ کا جادہ اس بات کو دکھانے کیلئے اہل نظر کی آنکھوں میں
فقیلہ روشن کا کام دے رہا ہے۔ جادہ کو فقیلہ کے ساتھ شبیہ
دی ہے اور وجہ شبیہ درازی ہے جو جادہ اور فقیلہ دونوں میں مشترک
ہے۔ یہ شعر کوہ کنڈن و گاہ برآوردن کا مصداق ہے۔

بے عرصے طاعت آشوب گہی | کہنچا عجز جو صلہ خط ایام کا

آگہی۔ ہوشیاری۔ یعنی بغیر شراب کے آشوب ہوشیاری کی طاقت
کسی کو نہیں ہے مطلب یہ کہ ہم کو بغیر شراب کے ہوشیاری حاصل نہیں کی
جب ہم شراب پیئے ہیں تب کام کر نیکی یا شعر کہنے کی قوت و طاقت ہم کو
حاصل ہوتی ہے مسعود سعد شراب کی تعریف میں فرماتے ہیں
بخواہ آن طبع را قوت بخواہ آن کام را لذت بخواہ آن چشم را لالہ بخواہ
آن مغز را عنبر و شراب کا مقوی طبع ہونا اس شعر سے ثابت ہے۔ چونکہ
آزاد حشاش اور بے پروا لوگ ہوشیاری کو بری چیز جانتے ہیں لہذا ہوشیاری
کو آشوب کہا ہے۔ آشوب یعنی فتنہ و فساد و ہنگامہ۔ کہنچا ہے عجز

حوصلہ نے خط ایانغ کا = یعنی شراب نہونے سے حوصلہ عاجز ہو گیا ہے -

بلبل کے کاروبار پین خندہ کا گل | کہتے ہیں جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

بلبل کے کاروبار پین خندہ ہائے گل = یہ مصرع ردلف لامین بھی آیا ہے
اس شعر کے یہ معنی ہیں کہ بلبل کی عشق بازی اور نواسازی پر گل ہنستے ہیں اور
بلبل اس بات کو سمجھتا ہی نہیں اور اپنے کاروبار سے جو عاشقی و نغمہ گرمی ہے
باز نہیں آتا تو اس کے عدم فہم کی وجہ سے یہ ثابت ہوا کہ بلبل عاشق فراخ کا
دماغ صحیح نہیں ہے اور عشق و عاشقی خلل دماغی کا نام ہے - کیونکہ ہوشیار
ہوتا تو اپنی تضحیک و رہنمائی کو پسند کرتا اور ترک عاشقی کرتا - اس شعر میں
یہ بات بیان کی ہے کہ عشق بُری چیز ہے اور برخلاف اہل عرفان کے
عشق کی مذمت کی ہے - میز لانے اور ایک جگہ عشق کی توہین کسی پر
عشق نے غالب نکا کر دیا ہے ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے کتاب
سلم الادب میں لکھتے ہیں کہ فیتا غور اس حکیم نے عشق کی تعریف میں کہا
عشق خاصیت طبعی ہے کہ دل میں پیدا ہو جاتی ہے - حرکت کرتی ہے
اور بڑھتی ہے اور پھر پرورش پاتی ہے - اور حرص کے بہت سے ماوس
اس کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں اور جتنی زور پڑاتی ہے - اسی ہی صاحب
عشق کی گھبراہٹ اور دبستگی - ورنہ نفسی طبع کی آرزوؤں کا سوچ جیتھو کی
حرص طول کہنچستی ہے یہاں تک کہ غم پر اضطراب تک بوجہ پہنچ جاتی ہے
خون بدن میں اسوقت جل جاتا ہے اور مادہ صفراوی بھڑک کر سودا

تبدیل ہو جاتا ہے۔ سو ادکی طبیعت میں فساد فکر داخل ہے اور فساد فکر کے ساتھ ہی زوال عقل ہوتا ہے۔ اور ناممکن بات کی امید۔ آرزو بے انتہا۔ یہاں تک کہ یہ جنون کو نوبت پہنچا دیتی ہے۔ اکثر ایسے قوت میں عاشق نے اپنے تئیں مار ڈالا ہے۔ اکثر غم کے مارے مر گیا ہے۔ اکثر معشوق کی طرف دیکھا اور شادی مرگ ہو گیا۔ اکثر ایک ٹھنڈی سانس لیا ہے اور دم گھٹ کر رہ گیا ہے۔ ۲۴ گھنٹے تک اس طرح رہا ہے کہ لوگ جانتے ہیں مر گیا۔ اُسے دفن کر دیتے ہیں مگر وہ زندہ ہوتا ہے اکثر اوپر کو سانس لیا ہے۔ دم غلاف دل میں گھٹ جاتا ہے۔ دل اس پر چمٹ جاتا ہے کہ پھر نہیں کہلتا یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔ اور تو اُسے دیکھ گا کہ جس پر عاشق ہے جب اُسکا ذکر کیا جائے تو لبو اُسکا سٹ جاتا ہے۔ اور رنگ بدل جاتا ہے۔ شیخ ابن سینا کہتا ہے کہ عشق ایک وہیم فاسد کا مرض ہے جیسے دیوانہ پن کہ بعض صورتوں اور عادتوں کے اچھا ہونے پر دل کو قایم کر کے انسان اس مرض کو خود اپنے اوپر لیتا ہے کہی اس کے ساتھ ہوس جماع کی بھی ہوتی ہے اور کہی نہیں ہوتی صحرا سے عرب کی ایک عورت نے کہا کہ عشق ٹھہری ہوئی چیر کے ہلا دینے اور ہلی ہوئی چیر کے ٹھہرا دینے کو کہتے ہیں۔ بعض اہل ادب نے کہا ہے کہ جنون قسم قسم کا ہے۔ ایک قسم اس میں سے عشق بھی ہے قاموس میں ہے کہ عشق پیار کرنے والے کا گھنڈ کرتا ہے اپنے پیار سے پر۔ یا محبت کا بیج ہونا۔ پاکدامنی کے ساتھ بھی ہوتا ہے

اور ناپاکی کے ساتھ بھی۔ یا اُس کے عیوب سے عقل کا اندھا ہو جانا،
یا ایک مرضِ مہمی ہے کہ بعض صورتوں کے اچھا سمجھنے پر دل لگا کر انسان
اُس مرض کو آپ اپنے سر لیتا ہے۔ عَشَقٌ جیسا عَلِمَہُ عَشَقًا بالکسر اور
بالتحریک (یعنی دلوں زبروں سے) ہے۔ مرد عاشق اور عورت عاشق
بھی اور عاشقہ بھی اور تَعَشَقٌ یعنی وہ بنا و رط سے عاشق بنا۔ اور
رَسَیْتُ کے وزن پر ہو تو بڑا عشق والا۔

تیرا کی قدیم ہون و چراغ کا	تازہ نہیں ہنسنہ فکر سخن مجھ
----------------------------	-----------------------------

یعنی زمانہ قدیم سے دود چراغ کی تریاک کہا یا کرتا ہوں۔ یعنی رات بھر
اور تمام شب چراغ سامنے۔ رکھ کر فکر کر کے اشعار کہتا ہوں۔ دود چراغ
خوردن فارسی کا محاورہ ہے اور مرزا نے یہہ مضمون اسی محاورہ سے
اخذ کیا ہے۔ تریاک کی = منسوب بہ تریاک ہے جیسے افیون کہا نیوا
کو افیونی کہتے ہیں اسی طرح تریاک کھانے والے کو (تریاک) کہا ہے
اور اسی طرح شرابی و کبابی وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ شرابی یعنی شراب
پینے والا۔ وَفَقْتُ عَلٰی کھذا ۲۔ افیونی و تریاک و شربابی و کبابی کی
یا یامی فاعلی ہے تریاک = پاؤں پر۔

بے خون دل و چشم میں موجِ نگہ لیتا	یہ سیکھ کر خراب ہے جو کے سراغ کا
-----------------------------------	----------------------------------

قائل نے خون دل کو شراب و چشم کو شراب خانہ قرار دیا ہے۔ یہاں خراب

لفظ ایہامی لفظ ہے کیونکہ خراب معنی مست و ویران آیا ہے۔ معنی اول
یعنے مست کے لحاظ سے یہ لفظ میکرہ اور سے کے ساتھ مناسبت
رکھتا ہے۔ کیونکہ شراب تہی اور اور مست کرنے والی چیز ہے۔ اور اس شعر میں
معنی ثانی یعنی ویران مراد ہے۔ غبار میں حرف با ہے لہذا ہے اور
با صنعت تضاد ہے۔ حاصل شعر یہ کہ ہماری آنکھ خون دل کی تلاش
کر رہی ہے یعنی خون رونا چاہتی ہے۔

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل	ابر بہار خم کہ کس کے دماغ کا
-----------------------------	------------------------------

باستثنا و ثوق صراحت کے اس شعر کے معنی کل شارحون نے
غلط لکھے ہیں۔

وہ مرچیں چین سے غم نہیاں سبھا	راز مکتوب ہے ریطی عنوان سبھا
-------------------------------	------------------------------

یعنے معشوق نے میرے چین چین کو دیکھ کر یہ سبھا کہ میں غمگین ہوں۔
دوسرے مصرع میں سبھا کی جگہ فہید لکھ دیجئے تو سالم مصرع فارسی بجا تا ہو۔
مصرع راز مکتوب بہ میریطی عنوان فہید۔ بعض کاتبوں نے بہ کو یہ یعنی
پر کا مخفف لکھ دیا ہے جس سے دوسرا مصرع بے معنی ہو گیا تھا یہ بہ تعلیل
کے لئے یعنی معنی از آیا ہے۔ بہ میریطی عنوان یعنی بہ سبب ریطی عنوان
کے سبھا کا فاعل معشوق ہے۔ غم نہیاں یعنی غم دل۔

بدگمانی فریجا ما اے سرگرم خرام	رخ پہ ہر قطرہ عرق یہ حیران سبھا
--------------------------------	---------------------------------

معشوق کی بدگمانی نے معشوق کو سرگرم خرام نچا یا۔ یعنی معشوق جو سرگرم خرام نہیں ہوتا ہے اسکی وجہ کیا ہے۔ ؟ اسکا سبب یہ ہے کہ مثنوی اور سرگرمی زقار سے چہرہ پر پینہ آتا ہے اور پینے کے قطرے آنکھوں سے کیسے قطرے متسا بہت اور ہمشکل رہتے ہیں تو معشوق نے بوجہ بدگمانی کے اُن قطرہوں کو اپنے عاشقوں کی آنکھ میں تصور کر لیں اور یہ سمجھا کہ راہ چلنے میں اسے چہرے پر اپنے عاشقوں کی آنکھیں لگ جاتی ہیں لہذا سرگرم خرام نہیں ہے۔
 دیدہ حیران = یعنی دیدہ حیران عاشق کا جو معشوق کے حسن و جمال و ناز و انداز کو دیکھ کر محض حیران اور بہوت و بے حس ہو گیا ہے۔

بجز سے اپنی بہ جاناکر و بد خو ہوگا | نبض خس سے پیش شعلہ سوان سمجھا

یعنی معشوق سرکش کے سامنے عاجزی و انکساری بیکار و فضول ہے جیسے فارسی کا شاعر کہتا ہے۔ اظہار عجز پیش تہ پیشہ چارہ نیت ہا اشک کباب باعث طغیان آتش است پیش قیدن کا حاصل بالمصداق ہے قیدن یعنی تر پنا۔ لفظ پیش نبض کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ نبض میں تر پ اور حرکت ہوتی ہے شاعر کہتا ہے کہ جسطرح شعلہ خس کو جلا دیتا ہے اویسطرح معشوق افروختہ میری عاجزی سے زیادہ بد خو ہوتا ہے۔

سفر عشق میں کی ضعفی رحلی | ہر قدم سایہ کویدن است بہشتیان سمجھا

مصرع از ضعف بہر جا کہ شہیم وطن شد۔ کا مضمون ہر شہستان میں راحت

راست ہوتی ہے اور سایہ کو ضعف کے ساتھ تشبیہ تائید ہے کیونکہ وہ بھی افتادہ ہوتا ہے ضعیفون کی طرح۔ اور سفر میں چلنا ہوتا ہے لہذا یہ لفظ و نشر مرتب ہوا۔

تھا گزران قرہ یا رد دل دم مرگ	رفع پیکان قضا استفہ آسان سمجھا
-------------------------------	--------------------------------

اس شعر میں پیکان قضا اور دم مرگ اور قرہ یا رد ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے ساتھ لفظ زخم کمال درجہ کی مناسبت و لطافت و نزاکت رکھتا ہے لہذا حضرت قبلہ کا ہی مولانا والہ مرحوم و معذور کا دخل قابل تقریف ہے۔ لفظ زخم کی مناسبت سے اس موقع پر شاعر نازک خیال کا ذہن ہی محفوظ ہو سکتا ہے۔ دفع کا لفظ بہت اسے۔ اور لطف یہ معنی میں کوئی نقصان نہیں آتا یعنی دل نے تادم مرگ پہ سمجھا کہ قرہ یا رد بھاگ جاؤنگا تو زخم پیکان قضا سے محفوظ رہونگا حقیقت میں حضرت والہ مرحوم کا یہ نہ بخہ قابل داد و انصاف ہے نہ لائق گرفت و گیر مرزا غالب دہلوی کوئی پیغمبر نہیں تھے جو اول سے آخر تک معصوم اور غلطی سے محفوظ رہ سکتے۔ قرہ کی تشبیہ شتر کے ساتھ دیجاتی ہے اور شتر کا کام زخم کرنے کا ہے۔ مرگ بعض وقت زخم سے واقع ہوتا ہے۔ اور پیکان کا یہ کام ہے کہ زخم کرے۔ ان وجوہات سے زخم کا لفظ مناسب ہے۔

دل یا جان کے کیوں سکون فادار	غلطی کی گنج کا فر کو سلیمان سمجھا
------------------------------	-----------------------------------

یعنے معشوق بیوفا ہے اُسکو جو وفادار سمجھا تو یہ غلطی کی اور معشوق بیوفا کو وفادار جاننا ایسی غلطی ہے جیسے کوئی شخص نادانی سے کافر کو مسلمان سمجھے۔ اسد = مناد می یعنی اے اسد۔ اُسکو = یعنی معشوق بیوفا کو پہلے مصرع کا مضمون اس طرح ہے کہ اے اسد کیون اُسکو یعنی معشوق کو وفادار سمجھ کر تو نے اپنا دل دے دیا۔ کافر اور مسلمان صنعت تضاد ہے جسکا دوسرا نام طباق ہے۔ جہان کے = یعنی سمجھ کر اور جان بھٹی روح بھی آیا ہے۔ اور یہ دوسرے معنی یعنی روح جو یہاں غیر مقصود اور نامطلوبہ ہیں لفظ دل کے ساتھ نہایت رکتے ہیں۔ کیونکہ دل ورجان لازم و ملزوم چیزیں ہیں اور روح کا مقام دل ہے لہذا لفظ جان سے اس شعر میں صنعت ایہام التماس پیدا ہو گئی۔ شغراف اور نہایت عمدہ بلکہ لاجواب ہے۔

دیکھ کر غیر کو ہو کیون کلیجا ٹہنڈا	نالہ کرنا تھا والے طالب شیر بھی تھا
------------------------------------	-------------------------------------

کلیجا ٹہنڈا ہونا محاورہ ہے اسکے معنی میں ملو بر آنا خوش ہونا۔ آرام پانا۔

پیشہ میں عیب نہیں کہنہ فرماؤ نام	ہم ہی شفتہ شیر و شیر جو انہیں بھی تھا
----------------------------------	---------------------------------------

پیشہ = پیشہ یہی کہ فرما دے سنگ تراشی کام کیا تھا کیونکہ نام رکنا = محاورہ ہے۔ اسکے معنی میں کسی کو عیب لگانا۔ بدنام کرنا۔ بُرا کہنا۔ اشتقہ ستر دیوانہ۔

ہمہ نامیدی ہمہ بدگمانی	میں دل میں فریب و فخر و گمان کا
------------------------	---------------------------------

سہنا امید ہی ہمہ بدگمانی = یہ دونوں صفات اُس ل کے ہیں جس نے
وفائی بیوفایان کا فریب کھایا ہے۔

چھوڑا نہ تخت کی طرح دست و قضا نے خورشید سنور اُس کے برابر نہ ہوا تھا

ماہ محبت = وہ چاند ہے جسکو حکیم ابن عطا مشہور بہ ابن مقفع نے جادو
اور شعبدہ کے اصول پر سیما بادرد و سرے اجزا سے بتایا تھا۔ وہ چاند
برابر دو مہینوں تک ہر رات کو ایک کنوین سے جو کوہ سیام کے نیچے
واقع تھا ٹکلتا تھا اور اُس کی روشنی بارہ میل تک جاتی تھی۔ جاننا چاہیے
کہ دو مہینوں کے بعد یہ شعبدہ مفقود و معدوم ہو گیا تخت بفتح نون و
سکون خا امجہ و بارم و حدہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک ماوراء النہر میں
ہے۔ ماہ تخت کو ماہ سیام ہی کہتے ہیں اور کوہ سیام ایک پہاڑ کا نام ہے
جو شہر تخت میں ہے۔ اس شعر کا مضمون یہ ہے کہ جب آفتاب نے ہمارے
مشوق سے برابری کا دعویٰ کیا تو کارکنان قضا و قدر نے ماہ تخت
کی طرح آفتاب کو چاہ مغرب میں چھوٹنے یا یعنی غروب کر دیا۔ ان قبیل کے
اچھے اچھے مضامین بعض اردو کے اور نامور شعرا نے بھی نکالے ہیں چنانچہ
میر سنورج کہتے ہیں ۛ دعویٰ کیا تھا گل نے اُس رخ سے رنگ و بو
کا ۛ مارین صبا نے دھولین بشتنم نے منہ میں تھوکا۔ میر تقی رح ۛ
کیا خوبی اُس کے منہ کی اسے غنچہ اقل کرے ۛ تو تو نہ بول ظالم بول آتی ہے
دُمان سے ۛ و لہ ۛ چمن میں گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا ۛ جمال

یار نے منہ اوسکا خوب ال کیا۔ مرزا سودا رح سے برابری کا تری گل نے
جب خیال کیا ۛ صبا نے مارچھیڑا منہ اُسکا لال کیا۔ میرزا غالب نے
اپنے شعر میں دعویٰ یا برابری کا لفظ حذف کر دیا ہے تاکہ شعر میں وقت
و اشکال پیدا ہو اور جادہ خیال بندی کے مطابق ہو جائے۔




توفیق باندا زہمت ہے ازل سے | اسم نکہوین ہے قطرہ گوہر نہو اٹھا

اس شعر میں معاصی اور خطیات پر شرمندگی و خجالت سے گریہ کرنے
اور رد کرنے کی ترغیب تحریر دی ہے چنانچہ مولوی رومی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں۔ آخر ہر گریہ ماخذہ ایست ۛ مرد آخر میں مبارک
بندہ ایست۔ اور معہذا بلند ہمتی کی تعریف کی ہے۔ توفیق = اس لفظ
کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی شے کو کسی شے کے ساتھ مساوی بنادینا
اور اصطلاحی یہ ہیں کہ اند جلتانہ اسباب نیوی کو مخلوقات
کی خواہش کے مطابق جمع کر دے یعنی جیسی تمنا ہو ویسے ہی سامان
فراہم ہو جائیں تاکہ اُن کی مراد برآے۔ اور یہ لفظ صرف امور خیر میں
مستعمل ہوتا ہے۔ مختصر معنی یہ ہیں کہ آرزو کے موافق سامان فراہم
ہونا۔ یہاں اصطلاحی معنی مراد ہیں ہمت = غم اور فکر اور مجازاً ارادہ
بلند کو کہتے ہیں۔ یہاں مجازی معنی مراد ہیں۔ اس لفظ کے اور بھی
کئی معنی ہیں جو لغات کے دیکھنے سے معلوم ہوں گے۔ ازل = وہ
زمانہ جسکو ابتدا نہو۔

دریائے معاشق سے خشک	میر دامن بھابی بھی تر نہ ہوا
---------------------	------------------------------

یعنی میں گنہگار ہوں۔ تنک آبِی = یہ لفظ مرکب ہے تنک اور آبِی سے۔ تنک بضم تین اور یہ کاف عربی ہے نہ فارسی۔ تنک کے معنی پین کم اور تھوڑا۔ اور یا مصدر می ہے تنک آبِی کے معنی پین کم آب ہونا۔ کم پانی والا ہونا۔ تھوڑا پانی رکھنے والا ہونا۔ سہرا من = دامن کا کنارہ۔

جاری تھی آسداغ جلر سو مرو تحصیل	آتشکدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تہا
---------------------------------	-------------------------------

یعنی اس سے پیشتر کہ آتشکدہ جاگیر سمندر ہو جائے میرے داغ جلر سے تحصیل جاری تھی یعنی میں آتش عشق میں بہت قدیم سے جل رہا ہوں۔ میرے بعد سمندر کو آتشکدہ کی جاگیر ملی ہے۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی قدیم عاشقی کا ذکر کیا ہے۔ سمندر = ایک جانور کا نام ہے جو چوہے کی شکل کا ہوتا ہے اور آگ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور آگ میں رہتا ہے۔ جب آگ بجے نکالا جائے تو مر جاتا ہے حضرت قبلہ گاہی مولا بنا۔ والہ مرحوم فرماتے ہیں  روزالت وعہد بلا بود  آن دم کہ کردی ینما دل من 

شب و محافل و خلوت میں تھا	رشتہ ہر شمع خار کو فنا میں تھا
---------------------------	--------------------------------

یعنی شمع جال معشوق کے سامنے بے رونق ہو رہی تھی۔ اردو زبان میں

شمع موت ہے نہ ذکر چنانچہ صبا کہتے ہیں **س** ہوے پیر ابغ الفت کہاں
 ۛ سحر ہو گئی شمع رخصت ہوئی ۛ ۛ ۛ = یعنی عشق = شمع = موم ہی رشتہ شمع =
 موم ہی میں جو تاگا ہوتا ہے جس سے موم ہی جلتی ہے اسکو رشتہ شمع
 کہتے ہیں۔ شاعر نے اس رشتہ کو کاٹا قرار دیا ہے۔ مگر کانٹے کے معنی
 یہاں حقیقی نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں یعنی تکلیف و رحمت و آزار
 خار و پیراہن بودن فارسی کا محاورہ ہے۔ شاعر نے اس محاورہ کو اس
 شعر میں برتا ہے۔ کسوت = بالکسر لباس اور پوشاک کو کہتے ہیں۔
 فانوس = عربی زبان کا لفظ ہے اردو میں یہ لفظ موت ہے۔ چنانچہ
 برق کہتے ہیں۔ کیا تجلی میں کہوں اُس سا عذر نور کی ۛ آستین
 یار سے فانوس شمع طور کی ۛ فانوس کی شکل غبارہ سے شبیہ ہوتی ہے
 اور وہ شمع پر ڈھانک دی جاتی ہے تاکہ شمع ہول سے نہ بجھے اور اُس کی
 تیز روشنی کا بُرا اثر آنکھوں پر نہ ہو کیونکہ فانوس میں سے جو روشنی چراغ
 کی نکلتی ہے وہ دھیمی ہوتی ہے۔ فانوس باریک کا غذا کا ہوا ہوتا ہے
 اوپیلے اور مہینے شمع رنگ پارچہ سے بھی فانوس بناتے ہیں۔ فانوس
 کے حقیقی معنی غماز اور چغلاؤر کے ہیں مگر اس غبارہ و شمع کو بھی جو شمع
 پر ڈھانکی جاتی ہے فانوس کہتے ہیں کیونکہ وہ چراغ کی روشنی کو نہیں
 چپاتی گو یا روشنی کی غمازی کرتی ہے جیسے چغلاؤر کی سی بات کو پوشیدہ
 نہیں رکھتا۔ اور یہ مجازی معنی ہیں فانوس کی شبیہ قفس کے ہر شہن
 بھی دی جاتی ہے۔ فانوس کے جملہ کبات دیکھ گئے وہ یہی ہیں کہ فانوس

باضافت اور فانوس خیالی۔ و فانوس خیال۔ اور فانوس نارنج اور فانوس
 شمع۔ فانوس گردان۔ بکاف فارسی وہ فانوس ہے جس کے اندر مختلف
 چیزوں کی شکلیں تماشے کے لئے بناتے ہیں۔ اور وہ شکلیں نقیلہ کے
 ڈھون کے زور سے گردش کرتی ہیں اور فانوس خیالی بھی ایکو کہتے ہیں
 فارسی کا کوئی شاعر کیا خوب کہتا ہے **۵** دہر فانوس خیال و عالمی
 حیران در او یہ مردمان چون صورت فانوس سرگردان در او فانوس نارنج
 بھی ایک کہیل اور تماشے کی فانوس ہے۔ نارنگی کو خالی کر دیتے ہیں
 اور باقی ماندہ چمکے کے اندر نقش نگار کرتے ہیں اور اس حالت کے
 رخ میں ایک چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ فانوس شمع کا بیان اوپر مذکور
 ہو چکا۔ جانتا چاہئے کہ فانوس کا استعمال سنئی روشنی کے زمانہ
 میں متروک ہے۔ مجلس فروز = یعنی مجلس کاروشن کرنے والا یعنی
 حاضر و موجود۔ مجلس فروز حاضر و موجود کی جگہ تخطیما کہتے ہیں۔ خلوت =
 بالفتح تنہائی مگر یہاں گوشہ اور کنارہ کے معنی میں بقا عدہ حجاز مرسل یعنی
 استعمال حال بجائے محل۔ شعر کے معنی یہ ہیں کہ رات کو جو معشوق محفل میں
 موجود تھا تو رشتہ ہر شمع فانوس شمع کے لئے خار در پیراہن تھا مطلب یہ کہ
 ہمارے معشوق کے حسن و جمال کے روبرو تمام شمعیں بے رونق اونٹے نور
 ترین حسن معشوق کی تقریف کی ہے۔ اسی مضمون کو خواجہ میر درد نے
 طرز سلیس میں اس طرح بیان فرمایا ہے **۵** رات مجلس میں ترے حسن کے
 شعلہ کے حضور شمع کے منہ یہ جو دیکھا تو کہیں نور تھا میرزا غالب نے

اس مضمون کو پیچیدہ اور مشکل ترکیب میں بیان کر کے ناز کنیالی کی شان دکھائی ہے۔ **س** شب کہ او مجلس فروز خلوت ناموس بود پر شستہ ہر شمع خاکستو فانوس بود۔ شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا۔

حاصل الفت دیکھا جبر شک آرزو | **دل بدلتا ہو گیا ایک لب فوس**

حاصل الفت ندیدم جبر شک آرزو | دل بدل چوستہ گویا ایک لب فوس بود
شعر ذرا سے تغیر میں پورا فارسی بن گیا۔ فارسی کا شاعر متفیعہ ای اشکر کتابی
س فلک از رشک نلکد ارد بحال خود دو ہدم را بہ سنگ از یکد گرسازد جدا
بادام تو ام را بہ ان دونون شعرون کا مضمون ایک ہے یعنی تفرقہ فی الاجاب کا
مضمون ہے مگر سیر یہ جدا جدا ہی اور دونون شعر اجاب ہیں۔

کیا کہنوں کی غم کی غنٹ کی بیان | **جو کہ ہایا خون دل سنت کی ہتھ**

کیسوئس بالفتح ہر وزن محسوس۔ یہ ہیریانی زبان کا لفظ ہے اور علم طبع کے
متعلق ہے جو چیز جگر اور عروق یعنی رگوں میں تیار ہوتی ہے اسکو کیسوئس
کہتے ہیں اور وہ کف کے مانند ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ غم عشق میں
جھجک جگر اور رگوں کا احسان اٹھانا نہ پڑا کیونکہ میں نے کیسوئس جس کا تعلق
جگر اور عروق کے ساتھ ہے نہیں کہا بلکہ میں نے دل کا احسان اٹھایا
کیونکہ خون کہا یا جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ چونکہ آدمی کے جسم میں دل
بہ نسبت دوسرے اعضا کے زیادہ تر شریف ہے لہذا شاعر یہ خیال

کرتا ہے کہ لکا احسان اٹھانا بہتر ہے۔ کیوس کے متعلق بعض بل تحقیق
 کہتے ہیں کہ کیوس اُس صورتِ فدا کا نام ہے جو دوسرے طبع میں جگر
 میں پکتی ہے اور وہ صاف شفاف پانی کی طرح ہوتی ہے۔ شعر کا تالیف
 کیوس نہیں کہا یا۔ بلکہ خون کہا یا ہے منت کیوس = یعنی بے منت مہنگان
 کیوس جو جگر اور غرق میں بقا عہدہ محارم سل صحیح ہے یعنی استعمال مضبوط
 بجائے طرف۔ اس شعر میں قصیدہ کی شان ہے نہ غزل کی۔
 فراغت = فراغت اس معنی کی کہ بہت سی چیزوں کا احسان اٹھانا نہ پرا بلکہ صرف
 دل کا احسان اٹھایا۔

ایٹھ دیکھ اپنا سا سنہ لیکے رکھنے صاحب کو دل دینے پہ کتنا غور تھا

فارسی کا شاعر کہتا ہے میر سدا ز خانہ آئینہ مرثا رجنون بدین پری
 از سایہ خود شد گرفتار رجنون یعنی یہ پری اپنے اوپر آپ عاشق ہو گئی
 بسبب کمال حسن و جمال کے جو اُس کو حاصل ہے۔ سایہ بمعنی عکس ہے
 اس فارسی کے شعر سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے مضمون کو فارسی کے شاعروں
 نے بھی لکھا ہے۔ در حقیقت اعلیٰ درجہ کا مضمون ہے حسن کی
 تعریف اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ معشوق آپ ہی اپنا گرویدہ
 و ولدادہ ہو جائے۔ اپنا سا منہ لیکر رہ جانا = محاورہ ہے یعنی
 شرمندہ ہونا۔ سوال پورا ہونے کی شرم سے چپے جانا۔ پشیمان ہونا
 و یکہ = یعنی دیکھ کر۔ حرف عطف یعنی کہ حذف کرنا اب متروک ہے

کٹنا = بیان اشارہ طرف زیادتی کے ہے۔ کٹنا غور تھا یعنی بہت غور تھا۔ یہ = پر کی جگہ یا ب مٹو کی ہے۔

قاصد کو اپنے ماتھے سے گردن مارنے اسکی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

قاصد کو = کو اضافی ہے یعنی فارسی کے لئے اضافی کا ترجمہ ہے۔
قاصد را گردن یعنی گردن قاصد۔ قاصد کی گردن۔ فصاحت کے لئے
د کی کے مقام پر (کو) استعمال کیا ہے۔

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لئے ہوں شمع کُشتہ و زور محفل نہیں ہا

جاتا ہوں = یعنی دنیا سے جاتا ہوں۔ داغ حسرت ہستی = داغ تمنای زندگی
داغ حسرت ہستی اس واسطے لئے ہوئے جاتا ہوں کہ مجھ کو دنیا میں جینے اور
زندہ رہنے کی تمنا ہستی مگر موت نے مہلت ندمی اور اجل نے میرا کامم
کر دیا۔ دوسرے مصرع میں تمثیل ہے۔ ہوں شمع الخ یعنی شمع کُشتہ
کے مثل ہوں لہذا محفل دنیا کے قابل نہ رہا۔ داغ غم و اندوہ۔ و زور =
لاؤق۔ قابل۔

برو تنہا جس جہت در آئینہ باز ہے یا ان اتیارِ ناقص کامل نہیں ہا

شش جہت یہ ہیں (۱) مشرق (۲) مغرب (۳) شمال (۴) جنوب
(۵) فوق (۶) تحت۔

رشک کتاہی کہ اسکا غیرے اخلاص ہے	عقل کہتی ہو کہ وہ ہے مہر کا آشنا
---------------------------------	----------------------------------

یعنی وہ غیر کا بھی آشنا نہیں ہے۔ اخلاص۔ دلی محبت۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل جشی ہے	عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
-------------------------------------	----------------------------------

مصرع اول میں جو اور ہے وہ عطف لازم ہے۔ اور مصرع ثانی میں جو اور ہے وہ عطف مجر ہے۔ یعنی ایک آفت کا ٹکڑا وہ دل جشی جو عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا ہے میرے لئے لازم ہے۔

دلی وہ کیوں بہت بزم غیر میں یار	آج ہی ہوا منظور انکو امتحان اپنا
---------------------------------	----------------------------------

یعنی بزم غیر میں معشوق بہ چاہتا ہے کہ میرا امتحان کرے۔ اور یہ دریافت کرے کہ تنگ ظرف کون ہے اور کون نہیں۔ لہذا معشوق نے بہت سی شراب پی لی تاکہ شرکامی محفل بھی اُسکی ہمد می کر سکے زیادہ شراب پیوین۔ مطلب یہ کہ معشوق غالب کو تنگ ظرف اور غیر کو عالی جو صلہ ثابت کیا چاہتا ہے امتحان میں۔ فی الحقیقت معشوق بغرض میرے امتحان کے اپنا امتحان کر رہا ہے۔ اور اس چال میں میرا امتحان منظور ہے۔

سر مرفت نظر ہون مجی قیمت یہ	کہ ہے چشم خریدار یہ احسان میرا
-----------------------------	--------------------------------

سر بہ و صوف اور مرفت اُسکی صفت ہے اور یہ مرکب تو صیفی یعنی سر صفت

مضاف سے نظر کی طرف اور نظر مضاف الیہ ہے اور یہ اضافت تخصیصی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں نظر کا سرمہ مفت ہوں۔ اور لفظ مفت کو بغیر اضافت کے بھی پڑھ سکتے ہیں اس طرح (مفت نظر) یعنی نظر مفت دارندہ۔ مفت نظر رکھنے والا (یا) نظر مفت دینے والا۔ اس صورت میں جو دوسری صورت ہے اس ترکیب کو میدل اور نا صریحی اور غالب کے ترکیب میں سے ایک نئی ترکیب سمجھنا چاہئے اور سالم ترکیب مفت نظر کو جو بلا اضافت کے ہے سرمہ کی صفت قرار دینا چاہئے یعنی مفت نظر ایک علیحدہ ترکیب ہے یعنی میں ایسا سرمہ ہوں کہ مجھ میں نظر مفت بہی ہوئی ہے۔ جو شخص گور میچکو اپنی آنکھ میں لگائیگا فوراً بینا ہو جائیگا بغیر اجرت اور قیمت دینے کے میسر صوری صورت یہ ہے کہ میں سرمہ ہوں مانند نظر کے یعنی سرمہ تو ہوں مگر سراپا نگاہ ہوں اور نظر ہی نظر ہوں اور علاوہ بران مفت ملتا ہوں۔ اس صورت میں یہ اضافت تشبیہی ہوئی اور وجہ شبہ سرمہ کی عدلی اور ثبوت تاثیر ہے اور ادات تشبیہ کا حذف کرنا جائز ہے جیسے لب لعل چشم ز گس و دل غنچہ یعنی لب مانند لعل و چشم مانند ز گس اور دلی مانند غنچہ اور وجہ شبہ سرخی و خوشنمائی و گرفتگی ہے۔ سرمہ مفت نظر ہوں مانند لفظ مفت کے یعنی سرمہ مفت مانند نظر ہوں۔ از روئے معنی ان تینوں صورتوں کا حاصل یک ہے۔ صرف بیان کی نزاکتیں بتلانا مجھے منظور رہتا۔

نزد احم شبہ اس دنگاہ کا

بزم قدح سے عیش تمنانہ رکھہ رنگ

اس دامگاہ کا یعنی دامگاہ بزم قحج کا کیونکہ مرزا اس شعر میں بزم قحج کا
 نوکر کر رہے ہیں۔ اس زمین میں میں نے اعلیٰ حضرت قوی شوکت قدرت
 بندگانی متعالیٰ حضور پر نور سلطان دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی
 غزل بے بدل پر تقریب قحج دو غزل کہاتھا اور ایک غزل کے قطع میں
 میرزا کے اس مصرع کی تفسیر اس طرح کی تھی ۵ غالب نے خوب کہہ دیا
 واجد کہ رنگ رخ بہ صید ز دام جستہ ہے اس دامگاہ کا۔ اس تفسیر میں
 میں نے دامگاہ کے معنی بزم قحج کے ہی لئے میں۔ مرزا نے اس شعر میں
 بزم قحج کو دامگاہ سے استعارہ کیا ہے کیونکہ شراب کی لذت شراب
 پینے والوں کو اپنے دام میں گرفتار کر لیتی ہے۔

مقتل کو کشتا سے جاتا ہوں کہ ہر پُر گل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

مقتل = قتل گاہ۔ نشا ط = خوشی۔ کہ = کاف تعلیل یعنی کیونکہ۔
 کس نشا ط سے = یعنی بہت نشا ط سے۔ بڑے نشا ط کے ساتھ۔ پُر گل
 پہولون سے بہر اسوار یعنی جب میں مقتل کو جاتا ہوں تو خیال زخم کیونکہ
 میرے آنکھوں میں گلشن کی سیر دکھائی دیتی ہے۔ مقتل اور زخم کو کہتے
 سنج ہوتے ہیں لہذا شاعر نے زخم کے خیال کو گلشن قرار دیا ہے کیونکہ
 گل کا رنگ بھی سنج ہوتا ہے۔ پہولون کو دامن میں لیتے ہیں لہذا خیال
 زخم کے پہولون کے لئے نگاہ کا دامن تیار کیا ہے جو دو نون پر مجھوس ہیں

جان پہولے پلک گرم ہر اسد پروانہ ہے کہاں تیری ادخواہ کا

و مکنتی آل بیار اور دست بکار اور چشم برآورد گوش برآورد و غیرہ وغیرہ کیسی عمدہ
 اور دلکش ترکیبین ہیں مگر یہ ایک ترکیب (جان در ہوا سے یک نگہ
 گرم) کقدر لمبی چوڑی اور طول ہونے کی وجہ سے کقدر طبیعت کو ناگوار
 گذرتی ہے۔ ایسے ہی ترکیب ہیں جنکی وجہ سے مرزا صاحبہ و موسیٰ خان
 صاحب بدف اعراض پہلوانان سخن کے بنجاتے ہیں۔ صرف منتخبہ اور
 چھوٹے سے باب الالف میں میرزا صاحب کے ایجاد کردہ اتنے
 ترکیب موجود ہیں (۱) یک ہیابان ماندگی (۲) نشاط آہنگ (۳) یک
 شہر آرزو (۴) رستخیز اندازہ (۵) یک قدم حوش (۶) دو عالم دشت (۷)
 وحشت خرامی (۸) جنون جولان (۹) بخون غلطیدہ صدرنگ (۱۰) یک
 عودہ میدان۔ (۱۱) یک عمر و سرع (۱۲) درشنگی مردگان (۱۳) فریب
 وفا خوردگان (۱۴) سامان طراز نازش (۱۵) میخانہ نیرنگ (۱۶) مفت
 نظر (۱۷) خود داری ساحل (۱۸) حریف بخشش دریا (۱۹) طاقت آشوب
 آگہی (۲۰) حیرت کدہ شونہی ناز (۲۱) یک الف بیش نیت (۲۲)
 صورتخانہ خمیازہ (۲۳) نهار تشنہ کامی (۲۴) خمیازہ ساحل (۲۵)
 بادہ راہ فنا (۲۶) بیک کف بردن صدر دل (۲۷) انداز بخون غلطیدہ
 بسمل (۲۸) برق سوز دل (۲۹) موج سراب دشت وفا (۳۰) دیوانگی
 شوق (۳۱) ہر قدم سایہ (۳۲) سبق شوق (۳۳) جان در ہوا سے
 یک نگہ گرم۔ الف صرف منتخبہ اور چھوٹے سے باب الالف میں یہ
 (۳۳) مرکبات و ترکیب آئے ہیں جو ایران کی فارسی میں مگر مستعمل

نہیں ہیں اور جب تک ان ترکیبوں کے اسناد اہل لسان کے کلام کے اندر
 نہیں تب تک ان کو صحیح جاننا اور اپنی نظم و نشر میں ان کا استعمال کرنا محض
 قلت تتبع اور خود پسندی و عدم تحقیق سے ہو گا۔ فارسی کے اہل لسان
 ان ترکیب کو سنکر پوچھتے ہیں کہ این کد ام زبان است اور کہتے ہیں کہ ینکہ
 زبان فارسی نیست حاصل کلام الفاظ کا ایجاد کرنا اور محاورہ و ن کا اختراع
 عمدہ بات ہے مگر اہل لسان کو زیادہ تر سنراوار ہے اگر غیر ملکی حضرات فارسی کا
 کے زعم پر غیر زبان میں اختراعات کرنا چاہیں تو یہ بات ممکن ہے مگر اس کے
 لئے ذوق سلیم درکار ہے اور حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
 و قدس اللہ سرہ کی تقلید بہتر ہے کیونکہ کبھی اہل لسان کو آپسے نزاع و خلاف
 نہیں اور میرزا یعلیٰ اور شیخ ناصر علی کے اختراعات کو اہل لسان ہرگز پسند
 نہیں کرتے اسکی وجہ خاص صرف اتنی ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے
 اختراعات ذوق سلیم اور جاوہرستقیم سے باہر ہیں بلکہ رکیک و طویل و پُر
 تصنع و غیر فصیح و اضافت و اضافت و صفت و صفت و ترکیب متقلوبہ
 بلا وجہ موجود کثرت سے ہوا کرتے ہیں یہی وجوہات ہیں کہ ان صاحبوں کے
 اختراعات مقبول خاص و عام نہیں ہوئے بلکہ چند لوگ اُن کے رواج
 دینے پر تعصب و نفسانیت سے ہٹ دھرمی اور بیجا اصرار کرتے رہے
 جس میں اُن کو انجام کارنا کامی حاصل ہوئی قاعدہ فارسی کے لحاظ سے
 نشاط سنگ کے معنی قصد نشاط و ارادہ نشاط کنندہ کے
 ہو سکتے ہیں مگر میرزا نے اپنے شعر میں اس ترکیب کے کچھ عجیب معنی

لئے ہیں یعنی خوشی کی الاپ رکھنے والا حالانکہ غمی کی کوئی الاپ
 نہیں ہوتی پھر خوشی کی الاپ چہ معنی دارد اگر غمی کی الاپ ہو اور اسکے
 مقابلے پر اور اسکی ضد میں خوشی کی الاپ کہا جائے تو ترکیب مربوط
 و چسپان ہوگی کیونکہ الاپ کو غم سے کوئی تعلق نہیں مرزا نے اس ترکیب
 کے جو معنی لئے ہیں وہ بھی اہل سان کے پاس مقبول اور پسندیدہ
 ہو نہیں سکتے دیگر وحشت خرامی - خرامیدن کے معنی ناز سے چلنے
 اور ٹہلنے کے ہیں وحشت کو خرام سے کیا تعلق لہذا یہ ترکیب ہی غیر مربوط
 ہے و قیق علی کھذا القیاس کہان تک لکھ سکتا ہوں لکھ لئے
 تو ایک دفتر ضخیم و علیحدہ بلکہ دفتر وہ متن درکار ہے صرف میں نے ترکیب
 لکھ لئے ہیں سمجھنے والے سمجھیں اور مخطوط ہوں میرے استاد شفیق و عم
 معظم مولوی حکیم عبدالباسط صاحب المتخلص بہ عشق مرحوم و معذور فرمایا
 کرتے تھے کہ میرزا غالب کو شاعری میں طبع خدا داد حاصل تھی اور وہ علی
 ورجہ کے شاعر تھے مگر میرزا صاحب کو علم و فضل نہیں تھا اس واسطے
 میرزا شایہ ہے کہ میرزا صاحب کی شاعری پر کوئی صاحب انگشت اعتراض
 نہیں رکھ سکتے کیونکہ ان کا شاعرانہ خیال بالکل چھوٹا اور موثر اور ناخوش
 ہے مگر طرز خیال لبندی اور اختراع ترکیب فی الحقیقت عام پر بلا تخصیص
 خلل انداز اور قابل اعتراض بلکہ لائق اصلاح ہے۔ میرزا صاحب کے
 تصنیفات فارسی وارد و خصوصاً تصنیفات فارسی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
 کہ اس قسم کی سیکڑوں ترکیبیں اپنی رائے اور طبیعت سے انہوں نے ایجاد کی ہیں

جنکا نتیجہ یہ ہے کہ گوہ کشدن و کاہ برآ و دن اور اہل سان اور وہ فصحاے
 بلاغت شعرا جو اہل سان کے مقلد اور پیرو میں ان تراکیب کو دیکھ کر مہمل اور
 بے معنی کہا کرتے ہیں اور ایسے تراکیب کا غیر مانوس طبیعت ہونا تو ایک
 قطعی و یقینی بات ہے۔ مومن خان صاحب کا بھی یہی حال ہے۔ ان
 صاحبوں کی استاد میمن کوئی کلام نہیں بلکہ خداوندان سخن ہیں مگر جو
 عیب سے وہ عیب ہے اور جو نہر ہے وہ نہر ہے۔ ان صاحبوں کا کلام چہی
 اور برتری ترکیبوں کا مجموعہ ہے۔ جو کلام اچھا ہے وہ لا جواب سبب۔ خاص
 و عام کے دون پر جا دو کا کام کرتا ہے اور جو تراکیب اسالیب سبب
 دھرمی اور خود پسندی سے بنائے گئے ہیں وہ کہیں در کسی وقت میں فصحاے
 سان بلکہ اہل سان کے پاس مقبول ہو نہیں سکتے بلکہ ہمیشہ و مان سے
 بے معنی و جفنگ کا خطاب ملا کرتا ہے۔ مرزا صاحب کتاب عود ہندی
 میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے ہر ایک ترکیب اہل سان سے اخذ
 کی ہے مگر ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے چنانچہ دیکھئے مرزا بیچ آہنگ کے
 ایک رقعہ میں لکھتے ہیں فرود آمدن جاسے من در کلکتہ بھینڈی
 بازار است۔ یعنی فرود گاہ من در کلکتہ بھینڈی بازار است۔ اہل سان
 یا منٹرل کہیں گے یا فرود گاہ کہیں گے مگر منٹرل کی جگہ میں اتنا لمبا چوڑا
 لفظ اور وہ ہی مقلوب ترکیب یعنی فرود آمدن جاسے من در کلکتہ کہیں گے
 اگر کسی شخص کو اس ترکیب کی صحت کا دعویٰ ہو تو ہر حکم یہ ترکیب
 اہل سان کے کلام میں دکھاوے۔ اور فرود آمدن جاسے من در کلکتہ ظاہر ہے

کوئی فصیح آدمی اس نطق کو فرو و گاہ یا منزل کی جگہ کہہ نہیں سکتا اور کچھ
 وحشت اور دو عالم وحشت اور یک بیابان ماندگی اور یک زانو تامل اور یک
 شہر آرزو اور ستیخیز اندازہ اور نشاط آہنگ و وحشت خرامی وغیرہ وغیرہ
 تراکیب ہندیوں اور خصوصاً خیال بندوں کے بنائے ہوئے ہیں اور اہل لسان
 ان ترکیبوں کے موجد نہیں ہیں اور قلم و ایران میں ان ترکیبوں کو اور ان کے
 معنوں کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ یہ ان کی زبان نہیں ہے لہذا اہل
 لسان جب ان ترکیبوں کو سنتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ این کلام زبان
 اور کہتے ہیں کہ این زبان فارسی نیست ۴ ایجاد اور تلاش اور تلاشش تو
 اچھی چیزیں ہیں مگر مقبول اور معقول اور پسندیدہ تلاش و تراش آسان
 نہیں ہے اور ایک دو شخصوں سے یہ کام ہو نہیں سکتا بلکہ اس کام کے لئے
 اہل علم کے مجالس اور اتفاق آرا اور مجاورہ کی پابندی اور لغت کی مہدات
 اور تراکیب کی خوش و وضعی اور قبولیت خاص و عام ضروری چیزیں ہیں۔
 اس سے متبادراور جان در ہوا می یک نگہ گرم اسکی خبر اور ہے رابطہ
 پروانہ چرخ پر گر کے جلیجاتا اور فنا ہو جاتا ہے۔ جب تیرے داخواہ
 کے ویل کی حالت پروانہ کی طرح ہے تو خاص تیرے داخواہ کا
 حال کیا کہنا وہ تو تیری ایک نگاہ میں فنا ہو جاتا ہے۔ جہاں تو نے
 ایک نگاہ کی بس سکا کام تمام ہو گیا۔ جان در ہوا سے یک نگہ گرم اہل لسان
 کی ترکیب نہیں ہے اور اس ترکیب کے صحیح ہونے میں بہت کچھ تامل ہے
 اور یہ ترکیب بسبب اپنی طوالت و طول لا طائل کے نہایت درجہ کی

غیر فصیح و رکیک ہے۔ ہوا کے معنی یہاں آرزو اور خواہش کے ہیں۔

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا	کہتے ہیں ہم تھکے ہوئے کہلائیں کیا
--------------------------------	-----------------------------------

یہ دینے لے کر معنی استثنا۔ باز آئیں کیا مقولہ معشوق کا ہے۔ جور سے باز آئے یعنی جور سے معشوق باز آیا۔ جور سے وہ باز آئے۔ یا ہم باز آئے اس صورت میں سالم مصرع معشوق کا مقولہ ہوگا۔ اس غزل میں کہا ردیف اور کہلائیں۔ گہرائیں وغیرہ قافیہ ہے۔ دو نو مصرعون میں کیا نفی کیواسطے آیا ہے۔

رات گزشتہ میں بیت آسمان	ہو سیکا کچھ نہ کچھ گہرائیں کیا
-------------------------	--------------------------------

یعنی مغلیں میں گہرائیں نہ تھیں بلکہ صبر کرنا چاہئے۔ کیا عمدہ فلسفیانہ موقف ہے۔ سات عدد اور آسمان معدود ہے۔ اردو میں معدود اکثر جمع آتا ہے مگر کہیں واحد ہی آتا ہے اور آسمان ایسا لفظ ہے جو واحد اور جمع دونوں میں متعل ہے۔ کیا = نفی کیواسطے ہے۔ کیا گہرائیں یعنی نہ گہرائیں۔ گہرائیں نہ تھیں۔

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں گے	جب کچھ بھی تو ہو گا کہا میں کیا
-------------------------------	---------------------------------

لاگ = دشمنی۔ عداوت۔ لگاؤ = محبت دوستی۔ وہو کا کہنا = یعنی فریب کہنا۔ کیا = نفی کیلئے ہے یعنی وہو کا نہ کہنا میں۔

ہولے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ	یار اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
کیا استفہام کے لئے ہے - نامہ بر - یعنی قاصد -	
موج خون بسر گزری کون سب	آستان یار سے اٹھ جائیں کیا
کیا نفی کے لئے ہے یعنی ہم آستان یار سے نہ اٹھیں گے اگرچہ موج خون ہمارے سر سے گزر جائے -	
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ	مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا
عمر بھر = تمام عمر - راہ دیکھنا - انتظار کرنا - مر گئے پر - یعنی مرنے کا دکھ کیا - استفہام کے لئے ہے یعنی دیکھئے کیا دکھلائینگے - قابل اپنے کو شخص غیر قرار دیکر پوچھتا ہے -	
یو چہ بین وہ کہ غالب کون ہے	کوئی تباؤ کہ ہم تباہ بین کیا
کہ = دونو مصرعون میں بیان کے لئے ہے - اور مصرع ثانی میں کاف تردید ہی ہو سکتا ہے - یعنی کوئی تباؤ یا ہم تباہ بین کیا - استفہام کے لئے ہے -	
لطفات بے کثافت چلو پید اگر نہیں سکتی	چمن نگار ہے آئینہ باد بہاری کا
باد بہاری کو بسبب لطافت کے آئینہ فولادی قرار دیا ہے - چونکہ آئینہ فولادی کہ	

زنگ آتا ہے اور زنگ سبز زنگ ہوتا ہے لہذا چمن کو جو باغبان برگ اشجار کے سبز ہوتا ہے آئینہ باد بہاری کا زنگ مقرر کیا ہے اور چونکہ باد بہاری لطیف چیز ہے اور بمقابلہ اس کے برگ اشجار کثیف شے ہے لہذا یہ نتیجہ نکالا کہ لطافت بغیر کثافت کے حاصل ہو نہیں سکتی۔ مطلب یہ کہ جیسے دنیا میں غم و شادی تو امین اس طرح لطافت و کثافت کا خال ہے اور وہ ہی تو امین۔ جلوہ پیدا کرنا = ظاہر ہونا۔ وجود میں آنا۔

حریف جوشش دریا نہیں جو ساحل جہان قی ہو باطل ہو دعویٰ شکاری کا

ساقی کو دریا سے ہواج سے اور جوشیاری کو ساحل سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہتا ہے کہ جب دریا ہی ہواج خوب لطیفانی کرے تو ساحل پانی میں غرق ہو جاتا ہے اس طرح جہان ساقی ہوا و روہ ناز و انداز سے خوب بادہ پیمانی کرے تو وہاں لوگ شراب پی پی کرست و یہوش ہو جاتے ہیں اور جوشیاری باقی نہیں رہتی لہذا ساقی کے مقام پر جوشیاری کا دعویٰ غلط ہے۔ ساقی کی بے تکلفی و ناز و انداز کو دریا (ساقی کے حسن و جمال روز افزون کو جوشش دریا قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب ساقی کو دریا قرار دیا ہے تو ساقی میں جوشش دریا کیا چیز ہوگی۔؟ دریا میں جوشش دریا پانی ہے۔ اور ساقی میں ساقی کی جوشش ناز و انداز یا حسن و جمال یا سخاوت و کریمی ہوگی۔ مگر اس شعر میں یہ بات نہیں ممکن ہے کہ ساقی کو جوشش دریا کے ساتھ تشبیہ و تمثیل یعنی جہان جوشش دریا ہو و مان ساحل غرق آب ہو گیا اس طرح جہان

ساقی ہو اومان ہوشیاری غائب ہو گئی۔ دونوں معنون کا حاصل ایک ہے اور بلحاظ ان معنون کے (تو) حرف رابطہ ہو گا۔ اور اس شعر میں (تو) ضمیر واحد حاضر بھی صحیح ہے یعنی اسے معشوق جہان تو ساقی ہو اور جس جگہ تو ساقی گری کرے الخ۔

عشر قطرہ ہے دریا میں فنا ہونا | دریا کا حد سے گزرنا ہے دوا ہونا

اس شعر میں علم قضا کا مشہور مسئلہ باندھا ہے۔ کہ راحت فنا فی اللہ ہو نہیں ہے قطرہ تمثیل انسان اور دریا تمثیل ذات باری تعالیٰ ہے۔ جب درد اپنی حد سے گزر گیا تو دوا کا رگر اور موثر نہ ہو ہی اور جب دوا موثر نہ ہو تو بیض ہلاک ہو گیا۔ اب قائل نے ہلاک ہو جانے کو دوا ہونا قرار دیا ہے کیونکہ مریض کا مقصود تو ہلاکی تھا نہ صحت و تندرستی۔ اور مریض فنا کو شفا اسوجہ سے خیال کرتا ہے کہ فنا فی اللہ کا درجہ اُسکو حاصل ہوتا ہے۔ جو اُسکا عین مطلوب ہے حاصل یہ کہ عشرت انسان کی فنا فی اللہ ہو جائیگی۔

تجربے سے قسمت میں ہی صورتِ قفل اسجد | تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہونا

صورتِ قفل اسجد = یعنی قفل اسجد کی مانند قفل اسجد کی طرح۔ اس شعر میں بات کے بنتے سے وصل کی بات بننا مراد ہے۔ اور قائل کا مقصود یہ ہے کہ جب وصل کی بات بنگئی تو میں معشوق سے جدا ہو گیا جو میرے لئے کمال تیرہ بختی اور نہایت بد قسمتی ہے۔

دل ہو کشمکش چارہ رحمت میں تمام مٹ گیا گھسنے میں عقدہ کا واہو جانا

چونکہ عقدہ چھوٹی چیز ہوتی ہے لہذا گھسنے سے مٹ جاتی ہے۔ جب مٹ گئی تو اس کا وجود نہ رہا تو کیا واہو گئی۔ شاعر نے عقدہ کے مٹ جانے کو واہونا یعنی کہلنا قرار دیا ہے۔ دل کو عقدہ کے ساتھ تشبیہ ہے۔ دل شبیہ پر عقدہ مشبہ بہ۔ رحمت سے وہ رحمت دل مراد ہے جو فراق یا رکیو جہ سے یا غم کے سبب سے تھی۔ تمام ہونا = مرجانا مصرع ثانی میں دل کی تمثیل ہے عقدہ کے ساتھ۔ عقدہ = یعنی گرہ۔ شعر کا مطلب ظاہر ہے یعنی ہمارا دل رحمت عشق کی تدبیر اور چارہ گری میں مصروف ہوا۔ مگر اس چارہ گری میں ہمارے دل کو کچھ ایسی کشمکش اور کشاکش ہو چکی ہے چارہ دل خود ہلاک ہو گیا۔ تو معلوم ہوا کہ دل ایک گرہ کی مانند تھا اور کشمکش چارہ گھسنے کے ساتھ مشابہت رکھتی تھی اسی لئے دل کشمکش میں معدوم ہو گیا اور جب دل معدوم ہو گیا یعنی مٹ گیا تو گویا چارہ گری میں کامیاب ہوا اور تدبیر کر چکا گرہ کی مانند کہ جب گھسنے میں مٹ گئی تو گویا کھل گئی۔ اور مٹ جانا ہی مطلوب تھا کیونکہ ہم گرہ کو کھولنا چاہتے تھے۔ جب گرہ مٹ گئی تو واہو گئی اور مقصود حاصل ہو گیا اس شعر کا مصرع ثانی یعنی مصرع مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا واہو جانا۔ مطلب کے مصرع ثانی کے ساتھ یعنی مصرع درد کا حد سے گزرا ہے واہو جانا۔ ملتا ہوا ہے اور دونوں مصرعون کا مضمون قریب قریب شائع ہوا ہے۔ واہو جانا۔ کہل جانا۔ کشادہ ہو جانا۔ والکرنا۔

اسکا شعری ہے ۔

اب جفا ہے بھی مین محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن باب وفا ہو جانا

اب = یعنی زمانہ موجودہ میں ۔ جفا = ظلم و ستم ۔ محروم = حرمان زدہ
بے نصیب ۔ اللہ اللہ = اس مقام پر تعجب و تحیر کی واسطے آیا ہے ۔
بھی = شرکت کی واسطے آتا ہے ۔ اس قدر = یہاں اشارہ طرف زیادتی
اور افزونی کے ہے یہ لفظ مہارا اور اندازہ بتانے کے لئے آتا ہے اور اتنا
کا مترادف ہے اور باب وفا = وفا کے پالنے والے یعنی عاشقان صادق
اور باب کا واحد باب ہے دشمن = یہ لفظ دش اور من سے مرکب ہے ۔ دش
کے معنی بُرا اور زشت آئے ہیں اور من بمعنی دل آیا ہے ۔ جو شخص دل زشت
رکھتا ہو اس کو دشمن کہتے ہیں ۔ دشمن یعنی بد دل و بد خواہ اور ایک
دوسرے کی ضد ۔ یہ لفظوں کے معنی ہوئے مگر یہاں زیادہ تر قابل ذکر
یہ بات ہے کہ مرزا کا یہ شعر فطری بنیاد پوری رح کے اس شعر سے ملتا ہوا ہے
بلکہ ماخوذ ہے ۛ شمع بے شعلہ بہ پروانہ فرستا و آن دوست ۛ کہا نامہ
روان کرد و عتابے نہ نوشت ۛ اور موسوی خان فطرت رح فرماتے ہیں
ۛ در تمنائے جفاے خویش کشتن صید را ۛ اختراع مہربانی کا ہے
صیا و من است ۛ یعنی معشوق جفا بھی نہیں کرتا ہے ۔ اور معشوق نے
اس لئے ترک جفا کی ہے کہ عاشقان صادق کو جفا ہی معشوق میں بھی
مرہ آتا ہے ۔ کیونکہ جفا ہی ہے تو اُسی کی جفا ہے اور اپنے محبوب کی طرف سے ہے

بس اسی ایک نسبت سے عاشقانِ صادق عینِ جور و جفا میں فرسے اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی اُن کی جفا کے سزاوار ہوئے جب معشوقِ جفا پیشہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تو اُس نے جفا کرنا ہی ترک کر دیا۔

ضعف سے گریہ سب دل بہ دم سہوا باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہونا

جب تک ہکمو طاقت اور قوت تھی تب تک ہم روتے تھے اور گریہ کرتے تھے جب ہماری قوت اور طاقت جاتی رہی اور ضعف و ناتوانی آگئی تو اب ہم ٹھنڈی آہیں کرنے لگے۔ اس شعر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رونے کیلئے طاقت چاہئے اور ضعف کی حالت میں آہ کہتے ہیں۔ دم۔ بمعنی آہ اور زور اس کی صفت ہے حکما جو کہتے ہیں کہ پانی ہوا بن کر اُڑ جاتا ہے تو ہکمو اپنی اس حالت سے یعنی زوالِ گریہ و عروجِ آہ سے باور آیا یعنی یہ بات صحیح ہے ظاہر ہے کہ گریہ پانی اور آہ ہوا ہوتی ہے۔

دل سے مٹا تری انگشتِ خیالی خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کی جا ہونا

مٹنا = محو ہونا۔ زائل ہونا۔ انگشتِ خیالی = خیالی مین جو دریا ہے یہ دریا سے نسبتی ہے۔ انگشتِ خیالی یعنی حنا والی انگشت۔ وہ انگشت جو ہندی کے رنگ سے سرخ ہو۔ اس شعر میں انگشت کے معنی ماتھے اور نیچے کے مین از روی قاعدہ مجاز مرسل یعنی استعمالِ جزو بجایِ کل درست ہے خیال = بالکسر تصور و گمان۔ اس لفظ کی حرکت میں اختلاف ہے اکثر صاحبان

نعت لکھتے ہیں کہ بالفتح ہے مگر فارسی واسے بالکبر لکھتے ہیں۔ اور قوت متخیلہ کو بھی خیال کہتے ہیں۔ جدا ہو جانا علیحدہ ہو جانا۔ الگ ہو جانا۔

ہے مجھے بہار ہی کی برس کر کھلنا	روئے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا
---------------------------------	------------------------------------

ابر بہاری = بہاری میں جو دیا ہے یہ یابی نسبتی ہے۔ مجھے = یعنی میرے لئے۔ روتے روتے = اسمِ حالیہ ہے۔ مزانے اس ایک چوٹی سی غزل میں فنا ہو جانیکا مضمون تین جگہ باندھا ہے (۱) عشرتِ قطر ہے دریا میں فنا ہو جانا (۲) دل ہو اکشکش چارہ زحمت میں تمام (۳) روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا۔ شعر سے قدیم ایک ہی غزل میں تکرارِ مضمون اور تکرارِ قافیہ کو ناجائز جانتے تھے مگر متاخرین کے پاس جائز ہے۔ بلکہ ایک مضمون کو کئی طرح سے ادا کرنا اور ایک قافیہ کو کئی طور سے باندھنا خواہ ایسا دل میں ہو خواہ متعدد غزلوں میں ہو مگر تازہ اور عمدہ اسلوب ہو تو اسکو کمال سمجھتے ہیں۔

گر نہین نگہت گل کو تری کوچہ کی سبھی	کیونکہ گردہ جولان صبا ہو جانا
-------------------------------------	-------------------------------

یعنی نگہت گل کو تیرے کوچہ میں آنے کی ہوس ہے۔ اس شعر میں کوچہ معشوق کی تعریف و توصیف ہے یعنی کوچہ معشوق ایسا معطر و معبر و غیرت گستانِ شک و باغ و بوستان ہے کہ نگہت گل کو بھی وہاں آنیکی ہوس لگی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ نگہت گل نہایت لطیف اور مفرح چیز ہے جسکے سبب لائق ہیں۔

سما کہ تجہ پر کہلے اعجازِ نبوی صقل | دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا جانا

یعنی صفائے باطن سے آدمی کو سرسبزی اور نباتِ آخرت حاصل ہوتی ہے
یہاں صقل کے مجازی معنی یعنی صفائی باطن مراد ہیں۔ کہلے = کہلے
ظاہر ہووے اور یہ لفظ آئینہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ آئینہ کا شادہ
اور کہلا ہوا ہوتا ہے۔ لفظ ہوا اور برسات اور سبز صنعتِ مرقعاتِ انظر ہے
یہاں ہوا بمعنی آرزو و تمنا آیا ہے اور حقیقی معنوں کے لحاظ سے برسات کے
ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ آئینہ فولادی کا سردی سے زنگ بستہ ہو جانا
ایک معمولی بات ہے۔ اسکو مزارِ صاحب نے جو اعجاز کہا ہے یہ محفلِ تامل
ہے کیونکہ اعجاز کی تعریف یہ نہیں ہے۔

بختے ہی جلوہ گارِ فوقِ کاشا غالب | چشم کو چاہے ہر رنگ میں وا ہو جانا

جب چشم ہر رنگ میں وا ہو جائیگی تو اسکو وحدۃ الوجود کا نظارہ حاصل ہوگا
اور ہر رنگ میں اُسی کو یعنی ذاتِ یاریِ تعالیٰ کو دیکھے گی۔ یہ علمِ تصوف
کے خطبات میں جو شریعتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دینِ آسمانی
کے برخلاف ہیں اور ہمہ اوست کا مسئلہ شریعتِ غرای محمدی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے پاس نامقبول ہے منصوص اور مرد کا قصہ شہور ہے کہ وہ نون
انہیں لغویات کی وجہ سے صاحبانِ شریعت کے حکم اور فتوے سے قفل ہے
غالب = منادئی یعنی اسے غالب۔ بختے ہے = اب متروک ہے
اسکی جگہ میں بختا ہے یا بخشگا کہتے ہیں۔ وا ہو جانا = کہل جانا۔

مرزا صاحب نے آنکھ کی جگہ چشم اسوجہ سے کہا ہے کہ اُن کی طبیعت زبان فارسی کی دلداد ہے اور دوسری وجہ خاص یہ ہے کہ اس مقام چشم کا لفظ بہ نسبت آنکھ کے زیادہ تر خوشنام معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں لفظ چشم پر زور دیکر پڑھنے سے تاکید کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور یہ موقع تاکید کا ہے بہر حال یہاں آنکھ سے لفظ چشم بہتر ہے کیونکہ فصاحت و جدائی امر ہے اور یہاں لفظ چشم کا استعمال مقتضائے فصاحت ہے۔

بنا لکھنے سے

خاتمۃ الطبع از طرف مصنف

اللہ تعالیٰ کہ اس شرح کا پہلا حصہ ختم ہوا اور میری کوشش و میرے مال سے طبع فخر نظامی واقع حیدر آباد دکن میں چھپ گیا۔ امید ہے کہ اسکے دوسرے دو حصے بھی بہت جلد شائع ہوں گے مگر صرف میری کوشش و میرا مال کہاں تک ملتی ہو سکتا ہے۔ جب تک امرائے دیہت اور حکام با فخر و مرتبت توجہ نہ کریں امید نہیں کہ دوسرے حصے شائع ہو سکیں کیونکہ فارسیوں کا قول ہے ۵ مراتب تجربہ معلوم شد پس از سی سال کہ قدر موز بعلم است و قدر علم بال ۶ بہر حال دوسرے حصوں کو چھپانے میں خاکسار سعی کرے گا کیونکہ اس کام میں زبان اردو اور شعر و سخن کی

ترقی متصور ہے اور خیال بندی کی پیچیدگیان پہلک پر منکشف ہوتی ہیں
 میں بیدل اور ناصر علی اور شوکت اور جلال اسیر اور ظہوری اور
 غالب اور مومن کا بدل معقد ہوں مگر اُن کے اختراعات سجا
 اور خیالات سرور گم سے نہایت متنفر ہوں اور اس باب میں مضامین اہل
 لسان کا مقلد و مقتدی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس محقر شرح کو بقای
 دوام اور قبولیت خاص و عام عطا کرے اور قلم پر دازون کے شرف و فاد
 سے محفوظ رکھے۔ آمین آمین۔

نوٹ ارف مصنف

میں نے اس شرح کو بطور ضمیمہ کے لکھنا شروع کیا تھا مگر جب لکھنے پہنچا
 تو میرے ذہن میں بہت و بلند اور رطب و یابس مضامین اس کثرت سے
 آگئے اور صفحہ کا قدر پر لکھے گئے کہ صرف باب الالف کا حجم آٹھ جزو سے
 زیادہ ہو گیا۔ چونکہ ضمیمہ بہ نسبت اصل کتاب کے چھوٹا ہونا چاہئے تھا
 لہذا میں نے اس شرح کو ایک علیحدہ شرح قرار دیا ہے مگر اس کو
 و ثوق صراحت کے ساتھ پورا تعلق حاصل ہے۔ یہ سمجھ لیجئے
 کہ غیر مکمل شرح کو میں نے مکمل کر دیا ہے۔ ناظرین کو
 امید ہے کہ میری تحریر میں کہیں کوئی غلطی پائیں گے تو براہ کرم چشم
 پوشی فرمائیں گے کیونکہ فارسی کا دانشور کہتا ہے  پوشش
 گز نہ خطائے رسمی طعنہ مزن کہ پہنچ نفس بشر خالی از خطا بنود۔

اس کے دوسرے حصے بشرط قدر دانی گورنمنٹ شایع ہوں گے فقط

و السلام خیر الختام

غزل زبان فارسی طبع از مصنفین شرح فرزند حضرت المرحوم

حسن و خوبی را چو آن شک قمری پرورد
زلف پر چین تو در چین شور و شرمی پرورد
رؤے پر نور تو انوارِ بحر می پرورد
جو تہہ نگام آن لب شیرین تگر می پرورد
دل کہ خود را از لرزے شستری پرورد
پاک طینت را دے لے شرمی پرورد
دیدہ من اشکبار و سینہ تو پر غبار
شنا دویم دارد او را گیرے عاشقان
عاشقان دانند کا ندرد و خود عشق کسے
باز گرد جان ما گر بیند آن گل سوسے
گر تو می آوردی آرزو جای بولودی چہ خو
بسکہ درد و غم غدا می عاشقان شد در ازل
عمر تان باد در آرزو جاہ تان باد بلند
بسکہ در خون می تپد ہر دم را و از خوش

عشق و الفت را ز من داغ جگر می پرورد
طرہ شوریدہ سودا سے دگر می پرورد
زلف مشکین تو شب تاب ریکتری پرورد
وان دمان غنچہ سان مشک تتر می پرورد
نالہ مارا دمدم چون نو جگر می پرورد
بواہوس را فربہی با سازه ترمی پرورد
راست سیکویم کہ ہر پاک بحر و بری پرورد
آسے آن ہر روان چشمترمی پرورد
داغ دل درد جگر ضعف بصری پرورد
عاشقان جان لبے آن نظری پرورد
لے صبا جان مرا آن خاک در می پرورد
از و فور رشک جانم نامہ بر سے پرورد
یا دتاں سے نالہ با جان جگر می پرورد
گوئی اندر دل من شستری پرورد

۹۷
از غزل و اشعار و غبار
مصنفین خیر الختام
غلام محمد بولودی
راغبی نسخ

حسرت پرواز تا نفون کند ز دلش
 شوق دل کردست پایم را سر آبل
 طرف تر حریت لے یاران تا شاگردنی
 تیر طبعان را بہر جادو منزل بیش است
 بے ہنر جادو از فاقہ قرن نخت اوست
 نے عجب گر سر بلند ساز از لطف عیم
 کو چہات را کو چہ آئینہ نامی خوشتر است
 سنگ جو را می تخت بر شان من ہشیار است
 راہ استدلال بگذار تو خواہی عافیت
 بہت کار استان آوردن مضبوطی
 میر محبوب علی جان شاعران ہرا
 ہم رعایا و برایا و علوم و ہم فنون
 فیض بخشی عمار الملک از من ہر

آن شکاری صید خود را بال پرورد
 خار مانے راہ را این را بہر می پرورد
 دو جبال سخت یک موعے کمر می پرورد
 سنگ خود زان نہان را ما شرمی پرورد
 با خبر داند کہ آدم را بہر می پرورد
 آن خداوندیکہ انجا خیر و شر می پرورد
 زانکہ حکم حسن تو دیوار دومی پرورد
 کا ندیر انجا شیشہ تا را شیشہ گرمی پرورد
 اسے بہادزدان بدایں بگذرمی پرورد
 زانکہ شیرینی و شکر نیشکر سے پرورد
 بیشتر از بیشتر از بیشتر سے پرورد
 بیشک این شاہ نکوی داد گرمی پرورد
 اہل علم و خاندان را بے خطرمی پرورد

طرز گفتار تو و اجداد تو دہ بای عشق را
 آفرین صد آفرین بس مختصر می پرورد

خداوند ملکہ و دولہ -

عالمیاب فیض آب آئینہ نواب عمار الملک بہار مولوی سید حسین صاحب
 و ریوٹ سکریٹری حکومت حضرة نظام اقبالہ ۱۳ واجد غنی



تعلیمات علاؤ حیدر آباد دکن کے نام حضرت المرحوم اپنی صدارت کے زمانے میں لکھے تھے اور دوسرے حصہ میں زعمیات ہیں۔ دونوں حصوں کی مجموعی ضخامت انیس سو اڑھویں طرز کلام وہی اہل سان کا تتبع اور اعلیٰ درجہ کی صاف و فصیح و دلکش انشا پر وازی ہے محاورہ بندی اور صنائع لفظی معنوی کا خوشنما استعمال حضرت المرحوم کی خاص طرز ہے حضرت المرحوم روز مرہ ایران کے دلزدہ تھے۔ اہل سان اس کلام کے گزیدہ اور بے انتہا شائق ہیں۔ قیمت ہر دو حصہ دور پیسہ (ع) سکہ حالی یا عہد سکہ کلدار۔

اس انشا کا حصول دوم ایک ایک پیسہ سکہ حالی میں علیحدہ علیحدہ ہی دستیاب ہو سکتا ہے پہلے نیا فارسی کے شائقوں اور طالب العلموں کے لئے کمال مفید ہے۔

و لائق صراحت۔ زبان اردو و مرزا غالب بلوچی کے اردو دیوان کی ایک چوٹی سی اور مختصر شرح ہے جو نیک معتبر مصنف کی تصنیف ہے لہذا معتبر کتاب ہے بہت کموشعار کی شرح نہایت عمدگی کیساتھ مختصر طور پر لکھی ہے اور مرزا کے تمام کتب و مقالات کو اچھی طرح کی گواہی ہے۔ لفظوں کے معنی قابل یاد رہا اور ہر ایک فقرہ شکر کا کام دیتا ہے۔ اس کا صحت نامہ بھی چھپ گیا ہے قیمت ضمیمہ (مصنف

مشہر) عاں سکہ حالی یا عاں سکہ کلدار ضخامت مع ضمیمہ صحت نامہ (۲۴) جزو۔ کل تصنیفات کا مجموعہ لڈالان قینون علاؤ ہے۔ درخواست شہر کے نام ذیل کے پتے پر آنی چاہئے فقط

نوٹ۔ تصنیفات حضرت المرحوم بفرض فروخت چھوٹے گئے ہیں جن صاحبوں کو ان کتابوں سے فیض یاب ہونا منظور ہو وہ قیمت دیگر مشہر کے پاس سے کتابیں حاصل کر سکتے ہیں فقط واجد عفی عنہ

المشہر محمد عبدالواحد عفی عنہ و آجد فارسی مدرس سٹی ہائی اسکول ساکن محلہ اندرون دروازہ چادر گھاٹ ضعیب مسی الماس بلدہ حیدر آباد دکن

اطلاع

و ثوق صراحت اور وجدان تحقیق کے جملہ حقوق

محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب ان کتابوں کو بغیر میری

اجازت کے نہیں چھپوا سکتے۔ اور کوئی مضامین ان کتابوں

اخذ و انتخاب کر کے علیحدہ کتاب بھی مرتب

نہیں کر سکتے مان جس قدر نسخے مطلوب ہوں شتہر کے

پاس سے بار سال قیمت طلب کر سکتے ہیں فقط

الراحم محمد عبدالواجد عفی عنہ وآلہ

فرزند حضرت والیرحمہ